

۲۹۴۶۲۹

480

ع ۷۲ ع

۱۸۶۳۸

DATA ENTERED

شکریتہ

میں اپنے صوبہ کے محکمہ تعلیم کا ولی شکریتہ ادا کرتا ہوں جس  
نے اپنی روایتی علم دوستی کی بنا پر میری اس ناچیز تالیف کی قدوائی  
کی اور اس کی طباعت کے لئے ایک رقم عطا کی۔ یہ رقم اپریل  
سٹر سید عبد العزیز صاحب بمبئی سٹریٹ لاؤریہ تعلیم صوبہ بہار کی  
عطا فرمودہ ہے۔ وزیر صوبہ ہند کے ہمدرد عزیز  
یڈر ہیں۔ جن کی بہنمائی پر یہ خط وزارت تعلیم بلکہ بہار واٹر بیس کی  
ساری آبادی مسرور ہے۔ ایسے ہمدرد عزیز فرض شناس وزیر کا  
شکریتہ ادا کرنا عین انصاف ہے۔ میں ان کا دل سے شکر گزار ہوں

مؤلف



# فہرست مضامین

نمبر	مضمون	نمبر	مضمون
۶۲	فروع میں صحابہ اور تابعین کے اختلاف کے اسباب	۸ تا ۹	ویساچہ وغیرہ
۸۱	اخذ حدیث میں آئمہ اربعہ کا اصول اور ان کے اختلاف کے اسباب	۳۰	حجیت حدیث
۹۲	صحیح بخاری	۳۲	تعریف سنت
۱۰۱	صحیح مسلم	۳۹	وہ دور جبکہ سنت سفینوں کی بجائے سفینوں میں تھی
۱۰۲	شرح مسلم	۳۹	تذوین حدیث کا اصلی سبب اور اس کی نوعیت
۱۰۵	مستدرک حاکم	۴۵	دوسری صدی ہجری کی مشہور کتابیں
۱۰۶	مستخرجات صحیحین وغیرہ	۴۶	تیسری صدی ہجری کی مشہور کتابیں
۱۰۶	سنن ابوداؤد وغیرہ	۴۷	چوتھی صدی ہجری کی مشہور کتابیں
۱۰۸	سنن ابوعیسیٰ ترمذی	۴۷	موطا امام مالک ر ح
۱۰۹	سنن نسائی	۴۹	موطا کی شرحوں کے مختلف اغراض
۱۱۰	سنن ابن ماجہ	۵۰	تیسری صدی ہجری کی وہ کتابیں جن میں صرف احادیث نوری جمع کی گئیں
۱۱۱	صحاب سنہ کے علاوہ حدیث کی اور صحیح کتابیں	۵۴	روایت حدیث میں صحابہ کا مسلک
۱۱۲	مسند الامام احمد بن حنبل	۶۴	روایت حدیث کے لحاظ سے طبقات
۱۱۳	کتاب الام		



نمبر صفحہ	مضمون	نمبر صفحہ	مضمون
۱۳۵	علم الجرح والتعديل	۱۱۲	سنن دارمی
۱۳۹	مزوج کتابیں		صحیحین کے قبل سنن کے
۱۴۰	کتاب الثقات	۱۱۵	نام سے جو کتابیں مشہور
۱۴۱	کتاب لضعفاء		ہوئیں
۱۴۱	کتب المدلسین	۱۱۵	کتب الاطراف
۱۴۳	مخصوص کتابوں کے رجال		چوتھی صدی ہجری کے بعد
	وفیات المحدثین	۱۱۹	جمع و تہذیب کا دور
	اسماء کفایت اور لقبوں	۱۱۹	دور تہذیب کی اہم کتابیں
۱۴۴	کی شناخت	۱۲۰	الجمع بین الکتب الستہ
	مؤلف، مختلف، متفق	۱۲۱	عام جوامع حدیث
۱۴۵	مفترق اور مشتبه اسماء و		احادیث احکام کی
	انساب کا بیان	۱۲۳	جامع کتابیں
۱۴۶	علم تاریخ الحدیث و منسوخہ	۱۲۴	دوسری نادر کتابیں
۱۴۸	علم تالیق الحدیث		مراتب کتب حدیث
۱۴۹	علم مصطلح الحدیث		باعتبار صحت
	مخصوص کتابوں کی		علم حدیث ایک دوسری
۱۵۱	حدیثوں کی تخریج	۱۳۱	تاریخی حیثیت میں
۱۵۱	علم الاسناد	۱۳۲	علم غریب الحدیث
۱۵۹	علم شرح الحدیث	۱۳۳	علم رجال
	علم موضوعات الحدیث	۱۳۴	اسماء الصحابہ



# مقدمہ

نور و نور

علم حدیث اپنی گونا گوں عظمتوں کے باعث دین کا اہم ترین جز ہے۔ اور دین کی تکمیل اس کے بغیر ناممکن ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کا حصول لازمی اور ضروری قرار دیا گیا ہے۔ دنیا میں جتنے علوم و فنون ہیں۔ سب کے مدارج ہیں۔ اور سب کی ایک خاص غرض ہے۔ تاریخ اس لئے ہے۔ کہ اس سے قوموں کے عروج و زوال اخلاق و عادات علم و عمل کا پتہ لگے۔ اور پچھلے دور میں اگلوں کی خوبیاں رائج کر کے اسے بھی ایک کامیاب و کامران دور بنا یا جائے۔ ادب و زبان دانی اس لئے ہے۔ کہ اس سے زبان کی اصلی حلاوت و شیرینی کا پتہ لگے۔ اور زبان کے اندر پوشیدہ اوکار و خیالات کی ہمہ و بصیرت حاصل ہو۔ اسی طرح اور مختلف قدیم و جدید فنون ہیں جن کی خاص خاص غرضیں ہیں اور خاص خاص مقاصد۔ لیکن وہ علم جو خالص دینی علم ہے۔ اور جس کے بغیر دین کا سمجھنا قطعاً محال ہے۔ ان تمام سے زیادہ لائق پذیرائی اور سب سے زیادہ محتاج حصول ہے اسی لئے امت کے نگہبانوں نے اسے ہر طرح روشن و نمایاں کیا ہے۔ اور عظیم اہمیت عطا فرمائی ہے۔ اس کے رطب و یابس، جمید و روی، اعلیٰ و ادنیٰ اکرس طرح مرتب کئے۔ اور اسکے لئے کیا کیا مصائب جھیلے، امام بخاری نے تمام اسلامی دنیا چھایا، اور



اور اس راہ میں ایک انسان جتنے مصائب برداشت کر سکتا تھا۔ اسے برداشت کیا  
حضرت امام ابوحنیفہ، مالک، سفیان، اوزاعی، شافعی، عبداللہ بن المبارک، وکیع  
عبدالرحمن ابن ہدی، احمد بن حنبل، اسحق بن راہویہ رحمہم اللہ اجمعین، اور ان کے  
علاوہ بے شمار علمائے اسی کے حائل کرنے اور پھر دوسروں تک پہنچانے میں اپنی  
زندگیاں تمام کیں۔ اسی کے لئے آئین و ماموں نے امام مالک کے آستانہ کی جہت سائی  
کی۔ اور انہیں کی کتاب موطا کے حصول کے لئے چھٹی صدی کے اتنی ترین بادشاہ  
صلاح الدین ایوبی نے قاہرہ سے اسکندریہ کا سفر گوارا کیا۔

الغرض علماء و محدثین و امراء وقت کی یہ گردیدگی اسی لئے تھی۔ کہ اس کا دین سے  
گہرا تعلق تھا۔ اور دین اسکے بغیر نامکمل تھا۔ اور تمام حیثیات سے دین کو مکمل کرنا  
بھی ضروری تھا۔ جب علم حدیث کی عظمت کا یہ حال ہے۔ کہ ہر بڑا اور جھوٹا انسان  
کسی نہ کسی پہلو سے اسکی خدمت کرنی اپنی انتہائی سعادت سمجھتا ہے۔ اور آج  
اس دور انحطاط میں بھی ہند اور بیرون ہند سے علم حدیث کی کوئی نہ کوئی خدمت  
ہو رہی ہے۔ تو پھر میرے لئے بھی اسکے ذریعہ سعادت حال کرنا بہت بڑا فخر تھا  
کیونکہ ہر انسان اپنے لئے کسی انتہائی سعادت کا طالب ہے۔ جو اس کی دنیا اور  
آخرت کو سدھار دے۔ یہی سبب تھا۔ جس نے مجھے بڑے طلب حدیث سے اس  
فن شریف کی خدمت کے لئے بنیاب رکھا۔ میں سوچتا تھا۔ کہ علم دین کے اس  
اہم باب میں اپنی سعادت تلاش کروں۔ کہ دل نے اس کی ایک مفصل تاریخ  
لکھنے کی آمادگی ظاہر کی۔ اور میں نے اللہ پاک کی نصرت و تائید کا بھروسہ کر کے  
عربی زبان میں اس کی داغ بیل ڈال دی۔ مگر معاً اردو زبان کی جو ہندوستان  
میں مسلم اور غیر مسلم اقوام کی متحدہ زبان ہے۔ بیچارگی کا خیال دامنگیر ہوا۔ میں  
نے سوچا۔ کہ اردو جہاں اس قبیل مدت میں بے شمار علمی خزانوں کی مالک بن چکی  
ہے۔ وہاں ابھی تک اور بیش بہا جواہر بیڑوں سے خالی ہے۔ کیا عجیب ہے۔ کہ اس  
ناقص تصنیف کے اردو کے قالب میں ڈھل جانے سے۔ اردو و ہندیات مادہیات



میں کوئی اضافہ ہو جائے۔ نیز اس موضوع پر اردو زبان میں اب تک کوئی کتاب نہیں لکھی گئی۔ اور اگر لکھی گئی۔ تو میری نظر سے نہیں گذری۔

اس لئے اس کا اردو میں ہی لکھا جانا اشد ضروری تھا۔ کہ امت اس چیز کو محسوس کرے۔ کہ آج سلف کی جس عظیم المرتبت خدمت کو پامال کیا جا رہا ہے اور حق کو باطل اور باطل کو حق ثابت کرنے کی جو کوشش کی جا رہی۔ وہ کہاں تک قابل التفات ہے۔ اور انکار حدیث کا جو فتنہ اپنی پوری طاقت کے ساتھ اٹھا چلا آتا ہے۔ وہ کس طرح خرمین دین و ایمان پر بھلیاں گرا رہا ہے۔ آج اس فتنہ کا انسداد اسی طرح ہو سکتا ہے۔ کہ دنیا کے سامنے حدیث رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح اہمیت کو پوری طرح واضح کیا جائے۔ اور صریح اور غیر مشتبہ الفاظ میں بتا دیا جائے۔ کہ دنیا کے آخری ہادی کا ہر لفظ اپنی پوری صداقت، تجلی، عرفان کے ساتھ ہمارے پاس موجود ہے۔ اور ہم ہر طرح اُسے تیرہ صدیوں سے آج تک جان سے زیادہ عزیز اور متاع گراں قدر سے زیادہ محفوظ رکھتے آئے ہیں۔ یہ بتایا جائے۔ کہ اس کی حیثیت فقط گزشتہ تاریخی واقعات و قصص کی نہیں ہے بلکہ اس کی حیثیت اس وحی کی ہے۔ جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے نکل کر لفظاً و معنیاً ہم تک پہنچی ہیں۔ ہمارا دین سراسر محتاج حدیث ہے اور ہماری تمام دینی ترقیاں اسی سے وابستہ ہیں۔

اس کتاب میں علم حدیث کی درجہ بدرجہ تاریخ بیان کی گئی ہے۔ اور خصوصیت کے ساتھ اس دور کی سب سے زیادہ اہم بحث یعنی ضرورت حدیث و مقام حدیث پر تفصیلی بحث کی گئی ہے۔

بتایا گیا ہے۔ کہ حدیث نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دین و مسائل دین کا نہ فقط جزء بلکہ بطور علت نامہ کے ہے۔ اور دین کا فہم اس کے بغیر قطعاً ناممکن ہے پھر حدیث کی درجہ بدرجہ تدریجی ترقی، اور اس کی تدوین کے تمام مراحل بیان کئے گئے ہیں۔ جو ایک طالب حدیث کے لئے باعث بصیرت ہیں، کتاب



کے اندر بعض خاص مباحث لکھنے سے رہ گئے۔ اور افسوس ہے۔ کہ ان کے  
 تشفی بخش صورت میں نہ ہونے کے سبب چھوڑ دیا گیا۔ ابواب اور مباحث کی  
 ترتیب میں سب سے پہلے حجیت حدیث کو اس لئے مقدم کیا گیا۔ کہ موجودہ  
 انکار حدیث کا فتنہ ایک حد تک عام ہو گیا ہے۔ اس لئے قبل اس کے کہ اسکی  
 فنی حیثیت پر بحث کی جائے۔ نفس ضرورت حدیث پر بحث کرنے کی ضرورت  
 تھی۔

کتاب کی تالیف ان نامناسب حالات میں ہوئی ہے۔ کہ مختلف موافقات و  
 مشاغل کا ہجوم ہے۔ اور سکون قلب کے تمام سامان بالکل مفقود، لیکن پھر بھی  
 اللہ رب العزت کی نصرت و تائید پر بھروسہ کر کے طبع کراچی لکھی۔ کتابت اور بعض  
 اغلاط اگر کتاب میں موجود رہ جائیں۔ تو ان کے لئے عفو کی درخواست ہے۔  
 اور مؤلف کے لئے زعماء خیر کی تمنا، لَعْمَ الْمُؤْمِنِي وَالْعَمَّ الضَّيُّرُ

والسلام

خاکسار

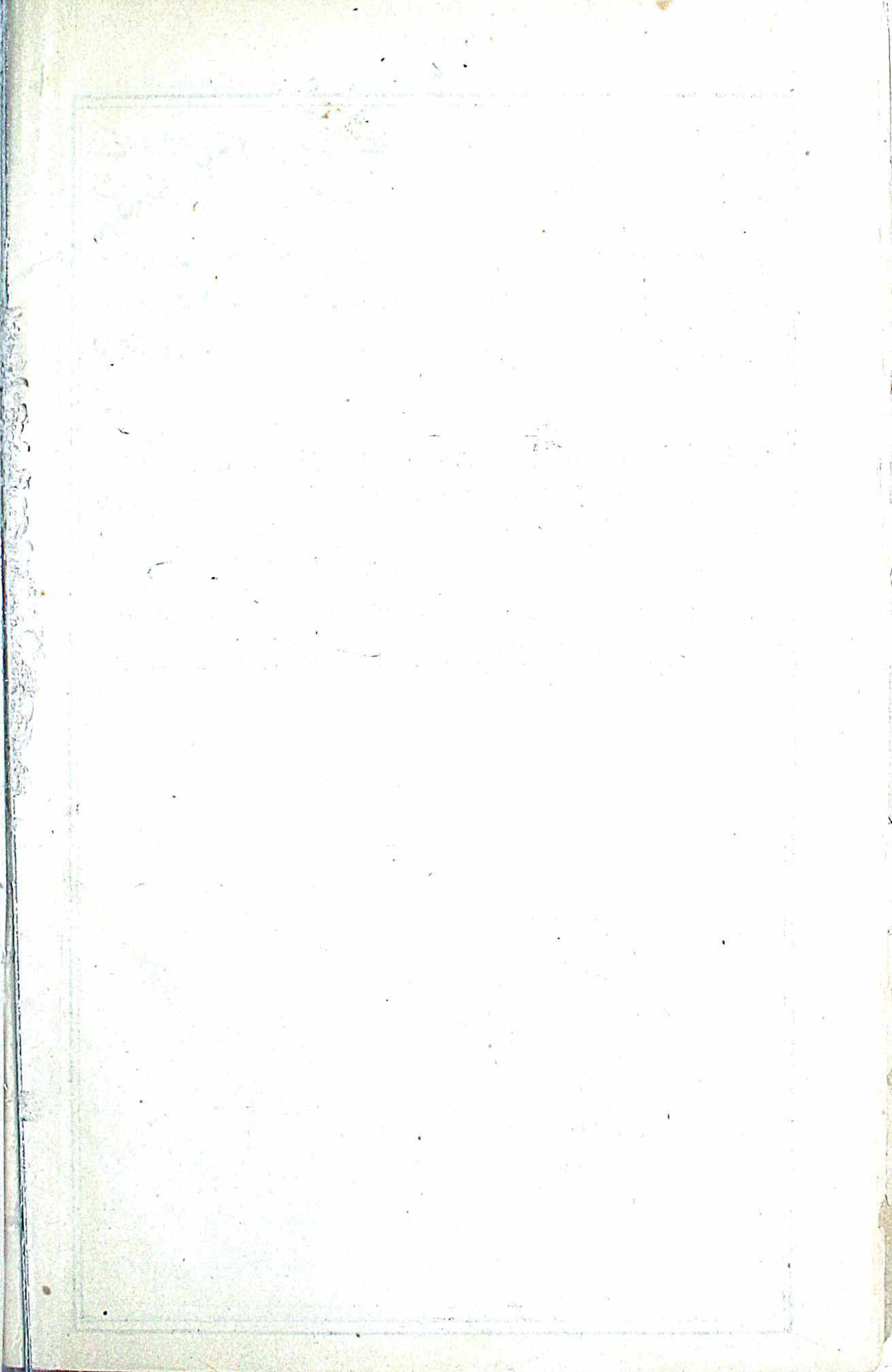
عزالدین خطیب شاہی مسجد

لاہور

۱۹ جمادی الاخری

۱۳۵۴ھ







بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

# حَدِیثِ

یعنی  
حدیث کی دینی حیثیت و عظمت

(۱) موجودہ دور میں جہاں مسلمانوں کے دین پر مختلف قسم کے بیرونی و اندرونی حملے ہو رہے ہیں۔ وہاں سب سے خطرناک اور دین کے نام سے دین کی نبیاء و کوبدم کرنے والا اندرونی فتنہ منکرین حدیث کا گروہ ہے۔ اس کی اتہائی کوشش نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری جمع کردہ احادیث کو و عنوع اور بے کار ثابت کرتا ہے۔ اس سلسلہ میں سب سے پہلا سوال جو ہمارے سامنے آتا ہے۔ یہ ہے کہ آیا واقعتاً ہمیں حدیث کی کچھ ضرورت ہے یا نہیں۔ جن لوگوں نے اس زمانہ میں انکار حدیث کیا ہے۔ ان کا بڑا اعتراض یہ ہے کہ قرآن ہمارے لئے کافی ہے۔ اور ہم اس کے سمجھنے میں حدیث کے محتاج نہیں ہیں۔ وہ حقیقت یہ ایک بڑا مغالطہ ہے۔ اور بظاہر یہ ایک گھبراہٹ والی چیز بھی ہے۔ کیونکہ یہ ماننے کے بعد قرآن کریم ایک ناقص چیز



ہو جائے گی۔ جس کے سمجھنے کے لئے ہم کسی اور چیز کے محتاج ہو جائیں گے۔ حالانکہ قرآن پاک اپنی جگہ پر ایک مکمل اور جامع کتاب ہے یہ بات اپنی جگہ پر بالکل ظاہر ہے۔ کہ قرآن پاک ایک مکمل اور جامع ترین کتاب ہے۔ لیکن یہ ضرور نہیں کہ ہم اس کے سمجھنے کے لئے کسی چیز کے محتاج نہ ہوں۔ ہمیں اس زبان کی احتیاج ہے۔ جس میں وہ قرآن نازل ہوا۔ لغت کی احتیاج ہے۔ صرف و نحو کی احتیاج ہے۔ کیونکہ صرف و نحو ہی زبان کے قواعد بتاتے ہیں۔ اگر ہمیں ان چیزوں کا علم نہ ہو تو ہم قرآن بالکل نہیں سمجھ سکتے۔ ٹھیک اسی طرح ہم آنحضرت رُدحی الہ الفداء کی تشریح کے محتاج ہیں۔ یہ ایک موٹی اور پی سی بات ہے۔ کہ قرآن کریم نے حضرت کو معلم قرآن بتایا۔ تو ہمیں لازماً حضرت کے ارشاد عالیہ کے مطابق قرآن کو سمجھنا ہوگا۔ جس طرح ہر زمانہ میں مفسرین اور اہل علم نے لوگوں کو سمجھانے کے لئے قرآن کریم کے متعلق بہت کچھ لکھا۔ یہاں تک کہ فرقہ اہل قرآن کے مقتدا کو بھی نماز و زکوٰۃ کے متعلق کتابیں لکھنی پڑیں۔ کہ لوگوں کے منشاء کے مطابق قرآن سمجھیں۔ اسی طرح بلکہ اس سے بہت زیادہ نزول قرآن کریم کے وقت اس امر کی ضرورت تھی۔ کہ اس قلب مطہر کا مالک جس پر یہ کلام نازل ہوا۔ اور جو دنیا کے تمام انسانوں سے بڑھ کر اس کے اصل منشاء کو سمجھتا تھا۔ اس منشاء سے دوسروں کو آگاہ کرے۔ چنانچہ اس نے اپنے قول و فعل سے اس منشاء الہی کو ظاہر کر دیا۔ اور اسی کو ہم حدیث کہتے ہیں۔ اور جس طرح حضرت کے زمانے کے لوگ اس اصل منشاء کو سمجھنے کیلئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و فعل کے محتاج تھے۔ کیونکہ اس اصل منشاء کو بہ طور وحی صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کوئی انسان سمجھنے والا نہیں تھا۔ اسی طرح ہم بھی اس اصل منشاء کو سمجھنے کے لئے اس جمع کردہ قول و فعل کے محتاج ہیں۔ جو حدیث کہلاتی ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم | قرآن شریف کے کامل ہونے کے یہ معنی ہرگز معلم قرآن کی حیثیت میں | نہیں۔ کہ اب انسان اس کے سمجھنے کے لئے



کسی چیز کا محتاج نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو چیزیں انسان کو ملتی ہیں۔ وہ سب ایک قانون کے ماتحت ملتی ہیں۔ اگرچہ خدا ان قوانین کا محتاج نہیں۔ لیکن انسان ان کا محتاج ضرور ہے۔ مثلاً ہدایت جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسانوں کو ملی ہے۔ اسے اکثر جبریل علیہ السلام لائے تھے۔ اس قانون کی پہلی شاخ تو یہی ہے۔ پھر حضرت جبریل علیہ السلام اسے ایک ایسے صاف و منظر قلب پر نازل کیا ہے۔ جو اس پیغام کے تحمل کے لئے چُن لیا گیا ہے۔ یہ اس قانون کی دوسری شاخ ہوئی۔

پھر تیسرا مرحلہ انسانوں تک اس ہدایت کے پہنچنے کا یہ ہے۔ کہ وہ رسول اس نازل شدہ کلام کو ان کے سامنے لاتا ہے۔ یعنی ان کو اس کی صحیح تعلیم اس کے اصل منشاء سے آگاہ کرتا ہے۔ جیسا کہ قرآن پاک میں فرمایا گیا۔ **كَمَا أَرْسَلْنَا فِيكُمْ رَسُولًا مِّنكُمْ يَتْلُو عَلَيْكُمْ آيَاتِنَا وَيُزَكِّيكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيكُمْ** (پھر وہ ان سے سب واسطوں سے پہنچے۔ کیونکہ اگر یہ نہ ہوتا۔ تو قرآن کریم ایک کتابی شکل میں آجاتا۔ اور لوگوں سے کہہ دیا جاتا۔ کہ بطور خود اسے پڑھ کر عمل پیرا ہو جاؤ۔ لیکن ایسا نہیں کیا گیا۔ بلکہ آنحضرت رُوحی لہ الفدا کے لئے اس کی تعلیم کرنی لازم کی گئی۔ اور اس تعلیم و تبیین کی ضرورت اسی لئے پیش آئی۔ کہ قرآن کریم میں عبادات و معاملات و اخلاق و معاشرت وغیرہ کے صرف اصول و کلی قوانین مذکور ہیں۔ اور ان اصول و کلیات سے ان کے فروع و جزئیات کا استخراج ہر نیک و عمر کا کام نہ تھا۔ بلکہ بعض جزئیات تک رسائی تو صرف اسی ذات مقدس کی ہو سکتی تھی جس کا وسیع قلب انوار الہی کا مخزن جس کا منور سینہ تجلیات ربانی کی فروگاہ ہو۔ ہر شخص اچھی طرح جانتا ہے۔ کہ قرآن شریف پر عامل ہونے اور اس کو سمجھنے کے لئے بہت سی چیزوں کی احتیاج ہے۔ مثلاً صرف و نحو۔ بلاغت معانی وغیرہ لیکن ان کے بعد سب سے بڑی احتیاج حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فہم مبارک کی ہے۔ اور ہمیں یہ فخر ہے۔ کہ اگر کوئی مدعی اہل قرآن بانی فرقہ قرآنیہ کے فہم کا محتاج ہے۔ تو ہم سرور دو عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاک اور



سرپاؤ فہم کے محتاج ہیں۔ افسوس ہے۔ اس شخص پر جو قرآن شریف کے سمجھنے کے لئے اپنے آپ کو لغت، صرف، نحو، بلاغت، معانی و بیان اور غیر نبی کے فہم قرآن کا محتاج تو سمجھتا ہے۔ مگر اس پاک سرچشمہ کی احتیاج سے اپنی زبان تشنہ کو بے نیاز رکھ کر پیسا مر جانا چاہتا ہے۔ جہاں سے وہ چشمہ فیض پھوٹ کر نکلا۔ اور جس کی بیشمار شاخیں دنیا میں پھیل گئیں۔ یہ احتیاج سے آزادی نہیں۔ ہلاکت و بربادی ہے۔ غصیان و سرکشی ہے، نافرمانی و انحراف ہے۔

قرآن مفصل ہونے کے باوجود بعض نا فہم یہ کہتے ہیں۔ کہ نبی کریم صلعم کو کتاب تشریح کا محتاج ہے۔ اللہ کے نشاۃ اصلی بیان کرنے کی کوئی ضرورت

ہی نہیں۔ کیونکہ قرآن شریف خود فرماتا ہے۔ لَقَدْ بَيَّنَّا الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يُعْرِفُونَ (سورہ یوسف، یعنی ہر چیز کی تفصیل اس میں موجود ہے۔ اور ایک جگہ فرمایا ہے۔ كُلُّ شَيْءٍ قَدْ فَصَّلْنَا لَهُ تَفْصِيلًا (بنی اسرائیل) ہر ایک چیز کو ہم نے اس میں کھول کر بیان کر دیا ہے، اور پھر فرمایا کِتَابًا مُفَصَّلًا (الانعام) یعنی اس میں ہر ایک چیز کھول کر بیان کر دی گئی ہے۔ اور فرمایا بَيِّنَاتٍ لِّكُلِّ شَيْءٍ (النحل) یعنی ہر ایک چیز کو بیان کر دینے والا۔ پس ان صریح بیانیوں کے بعد کسی قسم کی تشریح یا تفصیل کی حاجت اس نے باقی نہیں چھوڑی۔ یعنی بالفاظ دیگر جب قرآن ہر حیثیت سے مفصل و مشرح ہے۔ تو اب وحیِ حنفی یا حدیث کی کیا حاجت رہی۔ سب سے پہلے تفصیل کُلِّ شَيْءٍ کا مطلب سمجھنا چاہئے۔ اگر اس کے ظاہری معنی لئے جائیں۔ تو دنیا کی کوئی چیز کوئی فن کوئی ہنر ایسا نہ ہونا چاہئے۔ جو قرآن پاک میں موجود نہ ہو۔ لیکن معمولی سمجھ کا آدمی بھی یہ دعویٰ نہیں کر سکتا۔ کہ ساری دنیا کے سائنس، تاریخ، جغرافیہ، ہندسہ، صنعت و حرفت، کی تفصیل قرآن پاک میں موجود ہے۔ اس لئے کہ ہر ذی علم کا اس پر اتفاق ہے۔ کہ کُلِّ شَيْءٍ سے مراد دین کی کل باتیں ہیں۔ چنانچہ اس آیت کے ماتحت تمام مفسرین خازن، بیضاوی، مدارک، کشاف ابن جریر، رازی وغیرہ نے مَوَالِدِ الدِّينِ ہی لکھا ہے۔ یعنی امور دینیہ کی تفصیل مراد ہے اب بحث یہ رہ جاتی ہے۔ کہ دین بھی بہت سے اصول اور بے شمار فروع



پر حاوی ہے۔ مثلاً سیاست۔ معاشرت۔ تمدن۔ کہ یہ امور دین میں داخل ہیں اور  
 ان کو قرآن پاک نے اصولی طور پر بیان بھی فرمایا ہے۔ لیکن ان کے فروغ ہزاروں  
 کی تعداد تک پہنچتے ہیں۔ جن پر کسی ایک زمانہ اور ایک نظام حکومت کے انسان حاوی  
 نہیں ہو سکے۔ اور ان کا ذکر قرآن شریف میں نہیں۔ اسی طرح گذشتہ انبیاء کے تذکرے  
 جس حد تک کہ ان کا تعلق ہدایت بشری سے تھا، قرآن میں مذکور ہیں۔ نہ یہ کہ تمام انبیاء  
 کے مفصل تذکرے اس میں موجود ہوں۔ بلکہ بعض انبیاء کے نہایت قلیل واقعات ذکر  
 کئے اور بعض کے متعلق صاف فرمایا کہ سَلَامًا لَمْ نَقْضِمْهُمْ عَلَيْهِمْ یعنی بعض رسولوں کا  
 ہم نے تم سے کوئی ذکر بھی نہیں کیا۔ یہاں تک کہ ان کے نام بھی نہیں بتائیے۔ اب اس  
 اصول پر قرآن پاک تفصیل کل شئیء کس طرح ہوا۔ کیونکہ اصل دین ہی کی بیشمار جزئیات  
 نہیں بیان کیں۔ اب آئیے خود قرآن ہی کی روشنی میں ہم تفصیل کل شئیء کا مطلب سمجھیں  
 اللہ تعالیٰ ملکہ سب کی نسبت یوں فرماتا ہے۔ **وَ اَوْ تَبَيَّنَتْ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ سَكُو سَارِي حَيْزِرِ**  
**وَيُ كَمِيْنِ**۔ اب اہل قرآن کے اصول کی رو سے اس قدر حد بندی تو کر سکیں گے۔ کہ بادشاہت  
 کے متعلق کل چیزیں اس کو دی گئیں۔ جس طرح تفصیل کل شئیء میں کل امور دینی نے ان  
 کے مشورہ سے مراد لئے تھے۔ اسی طرح ذوالقرنین کے ذکر میں آیا ہے۔ **وَ اَتَيْنَاهُ مِنْ كُلِّ**  
**شَيْءٍ سَبِيْنًا** ہم نے ان کو ہر ایک چیز کے سامان عطا فرمائے۔ یہاں بھی زیادہ سے زیادہ  
 اصول اہل قرآن کی رو سے بادشاہت کے سامان کی قید لگانی پڑے گی۔ مگر کیا یہ صحیح ہے؟  
 کہ بلکہ سب ذوالقرنین کو بادشاہت کے وہ سامان اور وہ چیزیں بھی دی گئی تھیں جو آج  
 چودھویں صدی میں ایک طاقتور حکومت کے ہاتھ میں ہو سکتی ہیں۔ یہ آہن پوش جہاز  
 یہ سترہ اٹھارہ انچ دہانے کی قمیوں، یہ ہوائی جہاز، یہ مشین گنیں، یہ زہریلی گیس، یہ  
 ریلیں، یہ تار، یہ ٹیلیفون سب چیزیں ان کو ملی تھیں؟ نہیں اور ہرگز نہیں حقیقت یہ  
 ہے۔ کہ کل شئیء سے مراد صرف وہ چیزیں ہیں۔ جن کی ضرورت ان کو اس وقت کے  
 طاقتور دشمن کے مقابلہ میں تھی۔ اسی طرح قرآن شریف تفصیل کل شئیء بے شک ہے  
 مگر اس لحاظ سے کہ جس قدر ضرورت اعداء دین کے مقابلہ میں ہے۔ جس قدر ضرورت



دوسرے ان مذاہب کے متعلق ہے جن سے دنیا میں اسلام کو کام پڑتا تھا یہی وجہ ہے کہ جہاں قرآن شریف کو تفصیل کل شئی کہا ہے۔ وہاں ساتھ ہی دوسرے مذاہب کا بھی ذکر ہے۔ ماسکان صدیشائینتوی و لکن تصدیق الذی بین یدہ و تفصیل کل شئی یدین یہ کوئی اشتراکی ہوئی بات نہیں بلکہ جو کچھ اس سے پہلے موجود ہے۔ اس کی تصدیق اور ہر شے کی تفصیل، اور دوسری جگہ و لکن تصدیق الذی بین یدہ و تفصیل الکتاب و ما کر اور بھی واضح کر دیا۔ ایسا ہی افعیر اللہ انتغی حکماً و هو الذی انزل الیک کتاباً مفصلاً (الانعام) کتاب مفصل کا ذکر مخالفین کو مخاطب کر کے ہی کیا ہے، اور درحقیقت ان سب آیات میں یہ بتایا ہے۔ جیسا کہ قرآن شریف نے ایک دوسری جگہ بھی دعویٰ کیا ہے کہ قرآن شریف میں اپنی صداقت کے تمام دعویٰ اور ان کے دلائل اور مخالف اسلام کے سارے اصول باطلہ اور ان کے بطلان کے دلائل موجود ہیں۔ اور یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے۔ جس کا انکار کسی طرح بھی ممکن نہیں۔ قرآن حکیم کی عظمت کا کہاں نہیں یوں نظر آئیگا۔ جب تم یہ غور کرو کہ عرب کا ایک امی دنیا کے سامنے وہ کتاب پیش کرتا ہے جس نے نہ صرف سارے مذاہب کے اصول باطلہ کو ہی بیان کر کے ان کی غلطی کا اظہار کیا۔ بلکہ ان کے دلائل بھی پیش کئے، حالانکہ پیش کرنے والا ایسا شخص ہے۔ جو دوسرے مذاہب کا مطالعہ تو کیا وہ لکھنا پڑھنا ہی نہیں جانتا تھا، اسی طرح تمام اصول حقہ کو بیان کر کے ان کی صداقت کے دلائل بھی بیان کرتا ہے۔ لیحدک من ھلک عن بینة و یحیی من حی عن بینة یہ قرآن شریف کا عظیم معجزہ ہے کہ وہ خود ان کے مقابلہ میں دعویٰ کرتا ہے۔ اور پھر دلیل بھی دیتا ہے۔ اور اسی کی طرف تفصیل کل شئی میں اشارہ ہے، یعنی پھر وہ چیز جس کی ضرورت مخالف دین و اعداء اسلام کے مقابلہ میں ہے۔ وہ اس قرآن شریف کے اندر موجود ہے۔ اور اس کا پیرو خود اس کا محتاج ہے، یہ نہیں کہ دوسری کتابوں کی طرح خود کتاب اپنے ماننے والوں کی تشریح و تفصیل کی محتاج ہے، یہ اگلے انبیا اور ان کی کتابوں کی تصدیق بھی کرتا ہے۔ اور ساتھ ہی ساتھ ہر شے کی تفصیل بھی اس میں موجود ہے۔ یعنی جو غلطیاں ان میں



داخل ہو گئی ہیں۔ ان کا بیان پھر ان کی تصحیح اور دعویٰ اور ان کی دلیلیں یہ سب اس کے اندر موجود ہیں۔ اسی لئے اس کو کتبِ قیمۃ فرمایا کیسے کہ قدر با کمال معجزہ ہے کہ پہلے انبیاء ماسبق کے دین کی صداقت بیان فرماتا ہے۔ پھر ان کی کتابوں کی تحریف کا راز فاش کرتا ہے۔ پھر اصولی غلطیوں سے آگاہ کرتا ہے۔ پھر ان کے ولایتی بیان کرتا ہے۔ ان واقعات پر غور کرو، اور پھر تصدیق اللہ بنی یاسرہ و تفصیل کل شیء پر غور کرو۔ تمہیں صاف معلوم ہو گا۔ کہ واقعی یہ اس عالم الغیب کا کلام ہے۔ اور اس کا حامل بھی یقیناً خدا ہی کا فرستادہ ہے۔ جس پر اس علمی زمانہ میں خدائے قدوس نے قرآن کریم جیسا علمی معجزہ ظاہر فرمایا۔

تفصیل کل شیء کی ایک اور عمدہ توجیہ کو غور کریں۔ تو معلوم ہو گا۔ کہ قرآن کریم نے دین کے متعلق ہر معاملہ کے اصول کو بیان کر دیا ہے۔ اور کچھ تھوڑے فروع بھی بیان کئے ہیں۔ یہ صرف دین اسلام کے اصول یعنی اللہ تعالیٰ رسل کرام فرشتے یوم آخرت۔ کتب سماویہ وغیرہ ہی کے ایمان کو بیان فرمایا۔ بلکہ سیاست، معاشرت، تمدن، اخلاق، اور اختلاف مذاہب اور اس اختلاف کے فیصلہ وغیرہ کے اصول بھی بیان فرمائے ہیں، مگر فروع کا حصہ نہ ہو سکتا تھا۔ اور نہ اس غیر ضروری کوشش کا قرآن حکیم نے ارادہ کیا۔ ہاں کہیں کہیں بطور نمونہ و تمثیل یہ چیزیں آگئیں، لیکن جہاں تک اصول کا تعلق تھا۔ وہ نہایت تفصیل اور بسط کے ساتھ بیان کئے گئے۔ اور پھر وہ قواعد بھی بتائے۔ کہ فروع میں جہاں کہیں کوئی امر تشابہ پیدا ہو۔ وہاں اصول کی طرف رجوع کر کے انہیں حل کر لیا جائے۔ اب قرآن پاک تفصیل کل شیء اس معنی میں ہے۔ کہ سارے اصولوں کی تفصیلات اس کے اندر موجود ہیں۔ اور ساری وضاحتیں اس سے حاصل کی جاسکتی ہیں۔ اور اس امر کو خود قرآن پاک نے اس طرح بیان فرمایا ہے۔ هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ مِنْهُ آيَاتٌ مُحْكَمَاتٌ هُنَّ أُمُّ الْكِتَابِ وَأُخْرٍ مُّشَابِهَاتٌ ۚ خُذُوا مِنْهَا مَا نَزَّلَ اللَّهُ بِهِ مِنَ الْكِتَابِ ۗ وَإِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّمَنْ يَعْقِلُ (آیہ ۱۰۸)۔ جس نے آپ پر کتاب اتاری۔ اس میں کچھ محکم یعنی واضح المعنی صریح الدلالت ہیں۔ اور وہ کتاب



کی اصل ہیں، اور بعض تشابہ ہیں۔ یعنی جن کے معنی واضح نہیں، اس آیت نے صاف  
واضح کر دیا۔ کہ قرآن کریم میں بعض آیات ایسی ہیں جو واضح المعنی نہیں۔ بلکہ ان کی  
مزید توضیح و تشریح درکار ہے۔ پس قرآن حکیم اگر ایک طرف اپنے اندر تفصیل کل شئی  
کا دعویٰ کرتا ہو۔ تو خود ہی دوسری طرف اپنے اندر کچھ آیات تشابہ بھی قرار دیتا ہے،  
ہم دونوں آیتوں کو پڑھیں گے۔ اور ہر ایک کے ایسے معنی کریں گے۔ جو دوسری آیت کے  
خلاف نہ ہوں، غور کرو کہ دونوں معنی میں تطبیق بھی خود اسی آیت نے کر دی ہے۔ جو زیر  
بحث ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک حصہ کو واضح المعنی صریح الدلائل فرمایا۔  
اور اسی کو اصل کتاب سے تعبیر فرمایا۔ بالفاظ دیگر اصول کو ایسے الفاظ میں بیان فرما  
دیا ہے۔ جس میں مزید تشریح و توضیح کی کوئی ضرورت نہیں، مگر فروع کو ایسے رنگ  
میں بیان فرمایا ہے۔ جس میں مزید توضیح کی ضرورت ہے۔ اور یہی ایک حکیم اور  
پر حکمت کتاب کا کام ہونا چاہئے۔ کہ اصول کو وہ وضاحت کیسا تھے بیان کر دے اور  
تاکفروع کا بیان کرنا گو خداوند عالم الغیب کی طاقت سے باہر نہیں۔ لیکن تمام فروع  
کی حفاظت اور ان کا حال بننا اور پھر ضرورت کے وقت ان کا حسب منشا ملحوظ  
انسانی طاقت سے باہر ضرور ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے انسان پر اتنا بوجھ نہیں  
ڈالا جس کی وہ برداشت نہیں کر سکتا۔ کیونکہ اس طرح یہ قرآن کریم کروڑوں نہیں  
ارہوں صفحات کی کتاب بن جاتی اور کوئی اس میں کچھ بھی حاصل نہ کر سکتا۔ اور نہ اسے  
یاد رکھ سکتا۔ نہ اس کی حفاظت کا سامان ہو سکتا۔ پس کمال حکمت سے ایک طرف  
اصول کو بالکل واضح صاف پختہ کر کے قرآن کریم میں ان سب کا ذکر کر دیا۔ اور دوسری  
طرف فروع کے لئے ہم وبصیرت کا دروازہ ہر زمانہ میں اس کی ضرورت کے مطابق  
کھلا رکھا، اور چونکہ فروع ہمیشہ اصول پر عرض کی جاتی ہیں۔ اور انہیں اصول کے  
مطابق ہونا چاہئے۔ اس لئے یوں بھی کہہ سکتے ہیں۔ کہ قرآن حکیم نے سبھی کچھ بتا  
دیا۔ کیونکہ جب ایک چیز کے علم حاصل کرنے کا ذریعہ بتا دیا۔ تو گویا اس کا علم ویدیا  
اس لحاظ سے یعنی مجاز کے رنگ میں تفصیل کل شئی قرآن شریف اس معنی میں بھی ہے



کہ اس میں سب چیزوں کا علم موجود ہے۔ یعنی سب چیزوں کے حاصل کرنے کا ذریعہ موجود ہے۔ چنانچہ اس آیت ذیل میں خود ہی اس قاعدہ کی توضیح بھی فرمادی۔ وَمَا يُعَلِّمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللَّهُ وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ يَقُولُونَ آمَنَّا بِهِ كُلٌّ مِنْ عِنْدِ رَبِّنَا اور اس کی یعنی تشابہ کی تاویل کوئی نہیں جانتا۔ مگر اللہ اور زبردست علم والے کہتے ہیں ہم اس پر ایمان لائے۔ سب ہمارے رب کی طرف سے ہے۔ یعنی تشابہ کے معنی میں اسخین فی العلم اسی اصول پر معلوم کرتے رہینگے۔ کہ وہ ان سب کو اپنے رب کی طرف سے جانتے ہیں۔ اسخین فی العلم ان کو اس لئے کہا گیا۔ کہ وہ ایک مضبوط بنیاد پر کھڑے ہوئے ہیں، اور وہ بنیاد یہی ہے۔ کہ وہ محکم اور تشابہ دونوں کو خدا کی طرف سے مانتے ہیں محکم کے معنی تو ظاہر ہیں۔ جس میں کسی قسم کی بحث نہیں۔ لیکن تشابہ کو اس پر عرض کرنا خود ایک مضبوط بنیاد پر کھڑے ہونا ہے۔ پس یہ وہ قاعدہ ہے۔ جو خود قرآن کریم نے تجویز فرمایا ہے۔

نبی کا کلام وحی خفی نبی کو جس پر کلام ربانی نازل ہوتا ہے۔ وہ خود بین عطا کیا سے ہوتا ہے جاتا ہے۔ جس کی مدد سے وہ دیکھتا ہے۔ جو دوسروں کو نظر نہیں آتا۔ اور وہ بہت سی باتیں جو کتاب اللہ میں ایک بیج کی شکل میں موجود ہیں۔ نبی اپنے اس فہم سے جو اللہ تعالیٰ نے اسے دیا ہے۔ اسے ایک درخت کی صورت میں دیکھتا اور دوسروں کو دکھاتا ہے۔ وہ روشنی جو اسے دیکھتی ہے۔ محولی اجتماد سے بالاتر اور زیادہ تیز روشنی ہوتی ہے۔ اور اس کو وحی خفی کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے اور اگر غور کیا جائے۔ تو یہ بات ظاہر ہے، کہ جس قلب پر وحی الہی کا نزول ہوتا ہے اس کو اس کا خاص فہم بھی ملنا ضروری ہے۔ کیونکہ وہ دوسروں کی طرح اس کو باہر سے نہیں اندر سے دیکھتا ہے، اس کے قلب میں جیتک ایک خاص نور نہیں پیدا کیا جاتا۔ اس وقت تک وہ اس وحی کو لینے کے قابل کیوں کر ہو سکتا ہے۔ اللہ اعلم



حیث یجعل رسالتہ صاف بتاتا ہے۔ کہ وحی الہی پانے کا ہر ایک قلب متزاور نہیں ہوتا ہے۔ پس ہی نور جس کی وجہ سے اس کا قلب مبیط وحی بنتا ہے۔ اس کو ایک خاص فہم عطا کرنے کا موجب بنتا ہے، اور اسی خاص فہم سے کام لیکر یا اس وحی خفی کی مدد سے وہ ان امور دینی میں فیصلہ کرتا ہے۔ جن کی وضاحت کتاب اللہ نے نہیں کی۔ اور اس وجہ سے کہ اس کو خاص فہم اللہ کی جانب سے عطا ہوتا ہے اور خاص روشنی ملتی ہے۔ وہ خاص اختیارات رکھتا ہے۔ اس کا فیصلہ امت کے لئے ایک قطعی فیصلہ ہوتا ہے۔ اجتہاد میں غلطی کا امکان ہے مگر اس کے فیصلہ دینی میں غلطی کا امکان نہیں، مثلاً قرآن شریف میں صلوٰۃ کا حکم ہوتا ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بتا دیئے ہیں۔ کہ صلوٰۃ یہ ہے، اب یہ ناممکن ہے۔ کہ جو کچھ آپ نے بتایا ہو۔ وہ غلط ہو۔ یا قرآن شریف یا اللہ تعالیٰ کے منشا کے خلاف ہو۔ اور کوئی دوسرا شخص یہ فیصلہ کرے۔ کہ جو نماز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتائی تھی۔ وہ درست نہیں بلکہ قرآن شریف ایک دوسری طرز کی نماز بتاتا ہے۔ ایک فیصلہ دینی اگر قطعی طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ تو اس کا قبول کرنا امت کے لئے واجب اور ضروری ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم | اس بحث کے بعد سب سے بڑا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ خاص فہم قرآن دیا گیا ہے۔ کیا قرآن شریف سے یہ ثابت ہے۔ کہ نبی کو کوئی خاص فہم عطا ہوتا ہے، جس سے وہ امور دینی میں فیصلہ کرنے کا مجاز ہوتا ہے بلاشبہ ایسا ثابت ہوتا ہے۔ اور ایک نہیں۔ متعدد آیات اس کی شاہد ہیں۔ یوں تو علیحدہ علیحدہ کئی نبیوں کے متعلق مثلاً یوں فرمایا۔ **وَلَوْ طَآئِبَآہِ حَکْمًا وَعِلْمًا کَیِّسَ مَکِّیِّ** فرمایا۔ **فَضَرَرَتْ مِنْکُمْ مَا خَضَعْتُمْ فَوَهَّبَ لَی رِبِّی حَکْمًا وَجَعَلَنی مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ** یا فرمایا **وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّہٗ وَاسْتَوٰی اٰتٰیٰہِ حَکْمًا وَعِلْمًا** لیکن جامعیت کے ساتھ ایک جگہ کوئی اٹھارہ انبیاء کے نام لے کر فرمایا۔ **اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ اٰتٰیٰہُمْ**



ہم الكتاب والحکم والنبوة (الانعام) یہ وہ لوگ ہیں جنہیں ہم نے کتاب اور فیصلہ  
 کرنے کا اختیار اور منصب سفارت (الہ اور اس کے بندوں کے درمیان) عطا کیا  
 اور دوسری جگہ اس سے بھی زیادہ صاف الفاظ میں فرمایا۔ ما کان لبشر ان یاتینہ  
 الكتاب والحکم والنبوة ثم یقول للناس کونوا عبادا لی من دون اللہ  
 (آل عمران) یہ کسی بشر کے شایان نہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ اسے کتاب اور فیصلہ کرنے کا  
 اختیار اور نبوت عطا فرمائے۔ پھر وہ لوگوں سے کہے۔ کہ تم اللہ کو چھوڑ کر میرے  
 بندے ہو جاؤ۔ حکم کے معنی امام راعب نے اس طرح کئے ہیں۔ ان یقضی بشری ع  
 فیقول ہو کن اولیس بکن ا، یعنی ایک چیز کا دوسرے کیساتھ فیصلہ کیا جائے۔ پس  
 فیصلہ کرنے والا کہے۔ یہ ایسا ہی ایسا نہیں، پس ان آیات سے کلمے لفظوں میں ثابت  
 ہوا۔ کہ اللہ تعالیٰ جہاں اپنے مرسلین کو کتاب اور منصب سفارت عطا فرماتا ہے۔ وہیں  
 ان کو حکم یعنی فیصلہ کرنے کی قوت اور اختیار دیتا ہے۔ اور یہ ظاہر ہے۔ کہ سب انبیاء  
 ابتدا ہی سے حکومت و بادشاہت کے مالک نہیں ہوتے۔ اس لئے یہ قوت فیصلہ صرف  
 امور دینی ہی میں ہوگی۔ اس میں شک نہیں کہ حکم کے معنی لغت میں العلم والفقہ کے بھی  
 لکھے ہیں۔ لیکن اس سے ہمارے مدعا میں کوئی خرابی نہیں لازم آتی، ظاہر ہے۔ کہ فیصلہ  
 کرنے کی قوت یا اختیار کے لئے علم فقہ بھی درکار ہے، اور صحیح حکم یا فیصلہ چونکہ فقہ  
 سے پیدا ہوتا ہے۔ اس لئے نبی کو حکم عطاء کرنے میں دونوں مفہوم پائے جاتے ہیں۔  
 یعنی اس کو خاص علم بھی دیا جاتا ہے۔ اور فیصلہ کرنے کا اختیار بھی دیا جاتا ہے۔ اس  
 لئے بعض وقت یہ صرف علم کے معنی میں بھی استعمال ہوا ہے۔ یعنی حکمت کے معنی میں  
 مگر ظاہر ہے۔ انبیاء کو کتاب اور نبوت کے ساتھ حکم عطاء کرنے کا ذکر ہے۔ اس سے  
 مراد اختیار فیصلہ ہی ہے۔ جو امور دینی میں صادر ہو۔ معمولی علم نہیں مراد ہو سکتا کیونکہ  
 اس کا نبوت سے کوئی خاص لگاؤ نہیں۔ یہ کوئی خاص بات ہے۔ جو انبیاء علیہم السلام  
 کو عطا ہوتی ہے جیسے کہ ذاتینا حکماء وعلما میں وہ خاص علم مراد ہے۔ جو امور دینی  
 کے فیصلہ کے لئے منجانب اللہ عطا کیا گیا۔ ورنہ علم تو دنیا میں کم و بیش ہر انسان کو







جس طرح جمع قرآن کو اپنی طرف منسوب کیا۔ تو معلوم ہوا کہ نبی کریم علیہ السلام جو کچھ مسائل کے متعلق بیان فرمائیں۔ وہ سب خدا ہی کا فرمودہ ہوگا۔ پھر ہم دیکھتے ہیں کہ آپ پر کوئی وحی متلو اس طرح نازل نہیں ہوئی۔ جس میں سورتوں اور آیتوں کی ترتیب آپ کو بتائی گئی ہو۔ لیکن اپنے آیات و سورتوں کی ایک ترتیب مقرر فرمائی۔ اس لئے آپ کا آیات کو ترتیب دینا بھی خدا کی طرف سے تھا۔ اور بیان مسائل بھی خدا کی طرف سے تھا۔ لیکن چونکہ یہ وحی متلو کے ذریعہ نہ ہوئی۔ اس لئے اسے وحی غیر متلو یعنی وحی خفی کہتے ہیں۔ اس سے بھی بے خبر نہیں۔ کہ بعض حضرات قرآن کریم کی جمع کو بھی نہیں مانتے لیکن کم از کم انہیں تاریخ کے اس متفقہ واقعہ سے انکار نہ ہوگا۔ کہ قرآن کا کچھ حصہ مکہ اور کچھ مدینہ میں نازل ہوا۔ اب اگر ترتیب نزول کوئی اور نہ تھی۔ تو معلوم ہوا کہ سورہ بقرہ، آل عمران، انفال، توبہ، وغیرہ جن میں جنگ بدر، جنگ احد، غزوہ تبوک وغیرہ کا ذکر ہے مکہ میں نازل ہوئیں۔ اور پچھلی سورتیں جن میں کسی جنگ کا ذکر نہیں۔ وہ مدینہ میں نازل ہوئیں۔ اگر انکار واقعات میں یہ لوگ اس حد تک نہیں پہنچے۔ تو صاف ظاہر ہے۔ کہ ترتیب نزول اور تھی۔ اور ترتیب موجودہ اوستے۔ لیکن ترتیب نزول کے علاوہ کوئی اور دوسری ترتیب جو آنحضرت نے دی۔ اس کی دو ہی صورتیں ہیں۔ یا محض اپنے دل سے دی یا وحی سے دی۔ اگر اپنی طرف سے دی۔ تو ما یطق عن اھوی ان ھو الا وحی یوحی کے خلاف لازم آتا ہے۔ اور پھر ان علینا بیانا نہ کی بھی تکذیب ہوتی ہے۔ اس لئے معلوم ہوا کہ یہ ترتیب وحی کے ذریعہ تھی۔ اور چونکہ اس وحی کا کہ فلان سورت کو فلان جگہ اور فلان آیت کو فلان جگہ رکھو۔ قرآن میں کہیں ذکر نہیں۔ اس لئے اسے ہم وحی خفی کہینگے۔ اور یہ خیال کہ وحی صرف ایک ہی قسم کی ہوتی ہے۔ مہرنا دانی ہے۔ قرآن شریف میں تو زمین کی طرف وحی کا بھی ذکر بان سبک اوحی لھا اور شہد کی مکھی کو بھی وحی کا ذکر ہے۔ و اوحی سبک الی النخل اور غیر انبیاء کو بھی وحی کا ذکر ہے۔ و اوحیت الی الحوارین و اوحینا الی ام موسیٰ اور ملائکہ کو بھی وحی کا ذکر ہے۔ حالانکہ وہ خود وحی لایہو الے ہیں۔ اذ یوحی ربک الی الملائکۃ، پس معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی وحی مختلف قسموں



کی ہوتی ہے اور اس کی نوعیتیں بے شمار ہیں۔

قرآن میں نماز اور وضو کے | یہ امر بالکل ظاہر ہے۔ کہ قرآن شریف میں نماز کا حکم  
ذکر سے وحیِ حنیٰ پر کھلا استدلال | نہایت ابتدائی سورتوں میں موجود ہے۔ سورہ مزل

اور دوسری ابتدائی سورتوں میں اس کا حکم موجود ہے۔ اور تاریخ سے بھی اس کی  
شہادت ملتی ہے۔ پس اگر نماز کی تفصیلات کے بیان کرنے کی ضرورت تھی۔ اور  
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وحیِ حنیٰ کے ذریعہ ان تفصیلات کے بتانے کے مجاز نہ تھے۔  
تو چاہئے تھا۔ کہ ان تمام تفصیلات کے جو نماز کے متعلق قرآن میں بتائی جاتی رہیں نازل  
ہونے کے بعد نماز پڑھنے کا حکم دیا جاتا۔ اور ایسا ہی وضو کی تفصیل بھی پہلے نازل ہو لیتی  
اس کے بعد وضو کا حکم دیا جاتا۔ اور واقعہ اس کے بالکل خلاف ہے۔ کہ محض وضو و نماز  
حکم کے بعد ہی یہ چیزیں عمل میں لائی جانے لگیں۔ پھر کیا کوئی عقلمند اس بات کو پسند کر سکتا  
ہے۔ کہ ایک چیز پر عمل کرنے کا حکم تو آج دیا جائے۔ اور اس کی تفصیل ساہا سال کے  
بعد بتائی جائے۔ اس لئے معلوم ہوا۔ کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکی تفصیل  
وحی غیر متلو کے ذریعہ بتائی۔ اور یہ وہی تفصیل ہے۔ جو بعد میں وحی متلو کے ذریعہ خدا  
کی طرف سے مُصدق ہوئی۔ گویا حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز وضو کی جو  
ترتیب بتائی۔ وہ مدتوں بعد وحی متلو کے ذریعہ آشکارا کی گئی۔ مثلاً وضو کی تفصیلی ترکیب  
جو حضرت نے تعلیم فرمائی تھی۔ بعینہ وہی ترکیب سورہ مادہ میں بتائی گئی۔ جو بہت  
دنوں بعد مدینہ میں نازل ہوئی۔ یہ اس بات کا کھلا استدلال ہے۔ کہ رسول جو کچھ تعلیم  
دیتا ہے۔ وہ اللہ کی طرف سے دیتا ہے۔ لیکن کبھی وہ وحیِ حنیٰ کے ذریعہ سے ہوتی ہے کبھی  
وحیِ جلی (وحی متلو) کے ذریعہ سے وحیِ حنیٰ پر یہ قرآن شریف سے ایسا کھلا استدلال ہے  
کہ کوئی شخص اسے رد کرنے کی ہرأت نہیں کر سکتا۔

آئیے۔ اس وحیِ حنیٰ کے معاملہ کو اور زیادہ واضح کریں۔ قرآن  
وحی کے تین رنگ | پاک میں بشر کی طرف وحی کے تین رنگ بیان کئے گئے

ہیں۔ ماکان لبشر ان یکلمہ اللہ الا وحیا او من وراء حجاب او برسول











رسول الا ليطاع باذن اللہ النساء۔ یعنی ہم نے تمام رسول اسی لئے بھیجے  
 کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کی پیروی کی جائے۔ اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم  
 کو حکم بنانے کا حکم بھی قرآن میں موجود ہے۔ فلا وربك لا يؤمنون حتى يحكموك  
 فيما شئتم بئيمتكم ثم لا يجدوا في انفسهم جوراً مما قضيت وليسلموا التسليماء  
 (النساء) قسم ہے آپ کے رب کی وہ لوگ اس وقت ہرگز مومن نہیں ہو سکیں گے۔  
 جب تک اپنے جھگڑوں میں آپ کو حکم نہ بنائیں۔ اور پھر آپ کے فیصلہ سے اپنے  
 دلوں میں کوئی تنگی نہ محسوس کریں۔ بلکہ پوری خوشی سے اسے قبول کر لیں۔ پھر  
 ایک اور آیت میں آپ کے حکم ماننے کی تاکید فرمائی۔ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللّٰهَ  
 فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ ذٰلَ عَرَانَ۔ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو۔ تو میری  
 پیروی کرو۔ اللہ تم سے محبت کریگا۔ پھر ایک جگہ فرمایا ولقد كان لکفر فی رسول اللہ  
 اسوة حسنة (احزاب) تمہارے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات  
 نہایت عمدہ نمونہ ہے۔ انہیں کے نقش قدم پر چلو، ان کھلی آیات کے رہتے پھر کوئی  
 شخص کیونکر فیصلہ کر سکتا ہے۔ کہ ہمیں فہم قرآن یا کسی مذہبی امر میں اتباع رسول کی  
 ضرورت نہیں۔ یہ نہ فقط دین سے لڑائی ہوگی۔ بلکہ اپنی بصیرت و عقل و علم سبوں  
 سے لڑائی ہوگی۔

اطاعت رسول کی | قرآن پاک کی ان آیات کو گنا گنہن میں کھلے لفظوں میں  
 سب آیات مدنی ہیں | اطاعت رسول کا حکم دیا گیا ہے۔ ایک اور لطیف نکتہ کی  
 طرف اشارہ کرنا چاہتا ہوں۔ جو بجائے خود ایک فیصلہ کن امر ہے۔ اللہ تعالیٰ یا  
 صرف حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی جتنی آیتیں ہیں۔ وہ سب  
 کی سب مدنی سورتوں میں ہیں۔ سورہ آل عمران۔ النساء۔ بایذہ۔ الانفال۔ التوبہ۔ النور  
 الاحزاب۔ محمد۔ الفتح۔ ابجرات۔ المجادلہ۔ المتعابن۔ جن میں یہ آیات آئی ہیں۔ سب  
 کی سب بالاتفاق مدنی ہیں۔ دوسری طرف وہ آیات جن میں دیگر انبیاء کے اتباع  
 کا ذکر ہے۔ سوا ایک کے سب کی ہیں۔ کیونکہ سورۃ الشعراء۔ الزخرف اور نوح کی



ہیں۔ اب اس کی کیا وجہ ہے۔ کہ قرآن حکیم مکہ کی تیرہ سالہ زندگی میں دوسرے انبیاء کی اطاعت کا ذکر کرتا ہے۔ کہ ان کی امتوں پر ان کی اطاعت واجب تھی۔ لیکن حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا ذکر نہیں کرتا، اور مدینہ میں آ کر حضرت رسول کریم کے اتباع کا ذکر اس کثرت سے ہونے لگتا ہے۔ اصل حقیقت یہ تھی۔ کہ ساری تفصیلات شرعیہ سوا نماز کے سب مدینہ میں نازل ہوئیں۔ نماز تو خدا کے نزدیک اس قدر محبوب چیز تھی۔ کہ اس کے لوگوں کو مومن بنانے ہی ان پر نماز فرض کر دی۔ اور وہ مسلمانوں کی زندگی کا ایسا شعار ہو گیا۔ جو کسی حالت میں اس سے الگ نہیں ہو سکتا۔ لیکن بقیہ احکام شرعیہ مدینہ میں نازل ہوئے۔ اسی لئے ضرورت پیش آئی۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت پر زور دیا جائے اور آپ جس طرح فرمائیں۔ اسی طرح وہ انجام دے جائیں۔ اور سوا بعض تفصیلات کے جو قرآن میں مذکور ہیں۔ باقی ساری تفصیلات حضرت کی زبان مبارک سے بطور وحی خفی صادر ہوئیں۔ اس لئے اطاعت رسول کی مدینہ میں ہی آ کر ضرورت پڑی۔ جہاں احکام شریعت کی تعلیم اور اس کے اصول بتانے کی ضرورت تھی۔ اور اسی لئے ان سورتوں کا مدنی ہونا بھی لازمی تھا۔ کیونکہ ان میں ایسے ذکر موجود ہیں۔ جن کا مدینہ کے احکام سے تعلق ہے۔ پس یہ آیات بھی وحی خفی پر کھلا ہوا سوال ہیں۔

آنحضرت کے احکام | ان تمام شواہد و دلائل کے بعد اب ایک آخری بحث  
ما انزل اللہ میں داخل ہیں | میں اس امر کو پوری طرح واضح کر دینا چاہتا ہوں۔  
کہ ان حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام احکام جو

بظاہر قرآن میں موجود نہیں۔ وہ سب کے سب خدا ہی کی طرف سے تھے۔ اور ان کا تعلق وحی خفی سے تھا۔ اس موقع پر بعض حضرات یہ اعتراض کرتے ہیں۔ کہ حدیث کو ما ثنادر حقیقت من لہ تم حکم بما انزل اللہ کے تحت میں آجاتا ہے۔ لیکن وہ یہ نہیں سمجھتے۔ کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام بھی اسی ما انزل اللہ



کے تحت میں داخل ہیں۔ کیونکہ قرآن حکیم میں فرمایا گیا۔ مَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ  
 وَمَا نَهَاكُمُ عَنْهُ فَانْتَهُوا سُبْحَانَ الَّذِي يُخْرِجُكُم مِّنَ بُحْرَانٍ مِّنْ دُونِ الَّذِي كُنتُم  
 فِيهِ تُكْفِرُونَ۔ اس سے رک جاؤ۔ یہاں مَا کا لفظ عام ہے۔ اس میں قرآن وغیر قرآن کی کوئی تخصیص  
 نہیں۔ پھر فرمایا۔ گِیَا مَا یَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰی اِنْ هُوَ اِلَّا وْحٰی یُوحٰی یعنی وہ جو کچھ بولتے  
 ہیں۔ وحی سے بولتے ہیں۔ اپنی خواہش سے نہیں بولتے۔ اس پر یہ اعتراض کیا جائیگا۔  
 کہ اگر اس ما کے لفظ کو اس قدر عام کر دیا جائے۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری  
 باتیں وحی ہو جائیں گی۔ حالانکہ بعض باتوں میں آپ نے رجوع فرمایا۔ مثلاً تابیر سخلمہ میں  
 لیکن اگر معتبر من غور کرے۔ تو اسے خود صاف معلوم ہو جائیگا۔ کہ اس سے مراد امر دین  
 ہیں۔ نہ کہ دنیا اس لئے، کہ تابیر سخلمہ یعنی کھجوروں کے اصلاح کے معاملہ میں اپنے انتم  
 اعلم یا موس دنیا کم فرمایا تھا۔ یا موس دینکم نہیں فرمایا۔ اب صرف امر دین باقی رہ  
 جاتا ہے۔ تو اگر امر دین میں بھی رسول اپنے دل سے کہا کرے۔ تو یقیناً اس کی رسالت  
 کاذب ہوگی۔ اور وہ رسولوں کی صف میں تو کیا عام انسانی صف میں بھی لائے جانے  
 کے قابل نہ ہوگا۔ پس معلوم ہوا۔ کہ رسول امر دین کے متعلق جو کچھ بولتا ہے۔ وہ وحی ہوتی  
 کبھی وحی متلو کی شکل میں اور کبھی غیر متلو کی صورت میں جسے اصطلاح میں وحی معنی کہا جاتا  
 ہے۔ اب اس کے بعد صاف لفظوں میں یوں سمجھنا چاہئے۔ کہ حدیث رسول صلی اللہ علیہ  
 وسلم کے تین مستقل کام ہیں۔

(۱) کتاب اللہ کی تفسیر (۲) بعض احکام الہیہ کا مستقلاً اجراء (۳) تہذیب و تمدن  
 اور اپنے اسوہ حسنہ کی راہ نمائی، پہلے کی دلیل یَتْلُو عَلَیْہِمْ اٰیٰتِہٖ وَ یُزَکِّیْہِمْ وَ یُعِیْمُہُمْ الْکِیٰبَ  
 وَ الْحِکْمَۃَ۔ یعنی میں نے رسول بھیجا جو ان پر قرآن پڑھتا ہے۔ اور نفسوں کو پاک کرتا  
 ہے۔ اور انہیں قرآن اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔ دوسرے کی دلیل مَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ  
 فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمُ عَنْهُ فَانْتَهُوا سُبْحَانَ الَّذِي يُخْرِجُكُم مِّنَ بُحْرَانٍ مِّنْ دُونِ  
 الَّذِي كُنتُم فِيهِ تُكْفِرُونَ۔ اور جس سے روکیں اس  
 سے رک جاؤ۔ اور اس سے زیادہ واضح آیت وَقَاتِلُوا النَّبِیْنَ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ  
 وَالْیَوْمِ الْآخِرِ وَلَا یُحِیْمُونَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ لِرِجَالٍ لُّغُوۡلٍ مِّنْ جَمَہٖ

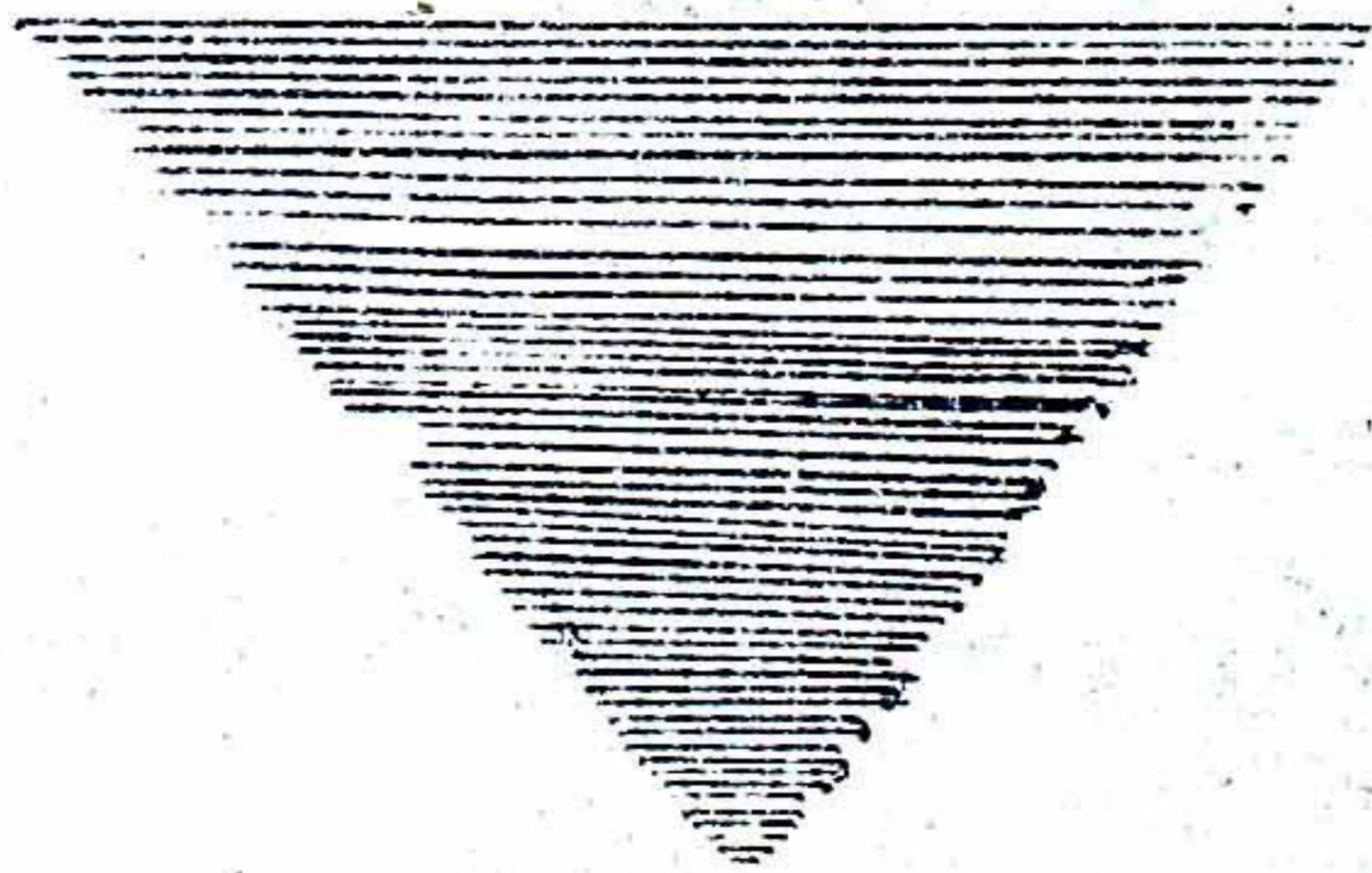


اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان نہیں لاتے۔ اور اللہ رسول کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حرام نہیں قرار دیتے۔ یسیرے کی دلیل لَقَدْ كُنَّا لَكُمْ فِى سُنُوْلِ الْمَدِيْنَةِ مَحْسَبَتِهٖ اِنْ نَذَكُرْ بِالْآيٰتُوْنَ سِوَا ذٰلِكَ لَمَّا جَاءَكَ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّكَ فَاذْكُرْ بِاللّٰهِ عَمَلًا وَّسَلْمًا کے یہ تین کام تھے۔ اب اس لئے کتاب اللہ کے علاوہ جتنے احکام بھی آپ سے صادر ہوئے وہ سب اسی وحی خنی کے ذریعے تھے۔ جس کا مکمل ثبوت تم اگلے صفحوں میں پڑھ آئے ہو۔ مثلاً پالو لگدھوں کی حرمت، چنگل والے جانوروں کی حرمت۔ خالہ یا بھوپنی کے رہتے ہوئے ان کے شوہروں سے نکاح کی حرمت۔ محضین کا لحم وغیرہ۔ یہ سب چیزیں خدا ہی کی طرف سے حرام ہوئیں۔ ان کو رسول نے من و داء حجاب والی وحی سے معلوم کر کے حرام کیا۔ کیونکہ وحی متلو نے اس زار کو تو آشکارا کر ہی دیا۔ کہ رسول نے بعض چیزیں حرام کیں۔ لیکن ان کے نام وحی غیر متلو کے ذریعہ معلوم ہوئے۔

اب سب سے آخری لیکن اہم چیز جو ضرورت حدیث پر ایک روشن دلیل ہے۔ وہ حضرت کی عملی زندگی ہے۔ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری زندگی کا تفصیلی سرچشمہ کتاب اللہ نہیں۔ بلکہ سنت رسول اللہ ہے۔ آپ کی گفتار آپ کا چال و چلن آپ کی نمازیں آپ کے حج آپ کے روزے۔ آپ کی زکوٰۃ و خیرات آپ کا لباس۔ آپ کا برادری کے ساتھ سلوک اور طرز معاشرت آپ کے بین الاقوامی تعلقات۔ الغرض حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ۳۳ سالہ زندگی کا پورا نقشہ اگر ہم تلاش کرنا چاہیں۔ تو ہمیں کہاں ملیگا اور ہم کس طرح قرآن کے حکم و کلمہ فی سب سب سب سے اسوۃ حسنہ پر چلنے کے لئے اپنے آپ کو تیار کریں گے۔ کتاب اللہ اس کی تفصیل سے خالی ہے۔ اس نے مجھے نہیں بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عیسائیوں اور یہودیوں کے ساتھ کیا برتاؤ کرتے۔ وفد بجران و دیگر قوموں سے کس طرح پیش آئے۔ اور کس طرح مخاطب فرمایا۔ آپ کا لباس اس طرح کا تھا۔ آپ کے عصا مبارک کی بیڑ عیت تھی۔ اب فلان خاص قسم کا کپڑا پہننے اور فلان خاص کپڑے کو ناپسند کرتے۔ اہل بیت و ازواج علیہم السلام کے ساتھ آپ کیسا معاملہ کرتے۔ قرآن پاک ان کی تفصیل سے خالی ہے۔ بلاشبہ ان میں سے بعض باتیں



اصولی طور پر آگئی ہیں۔ جیسا کہ ایک موقع پر حضرت عائشہ رضی عنہا نے فرمایا۔ اِلَّا فِی  
 خَلْقَةِ الْقُرْآنِ لٰكِن اِنَّ كِی تَفْصِیْلَ قَطْعًا مَوْجُوْدٌ نِّهٰی۔ پھر ایک شخص جو اپنے آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
 کی معاشرت و اخلاق کا نمونہ بنانا چاہتا ہے۔ وہ اس کے لئے کس دروازہ کو کھٹکھٹائے  
 اور کہاں سے ان کی تلاش کرے۔ ان کی تلاش اسی سنت کے سرچشمہ سے ہو سکتی ہے۔ اور  
 یہ گوہر مقصود اسی صدف سے مل سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا بے شمار کرم ہے۔ اس امت محمدیہ  
 پر جس نے مقدس رسول کی زندگی کا ہر گوشہ ہمارے سامنے کھول کر رکھ دیا۔ اور آج ہمیں اس  
 قابل بنایا کہ ہم بڑی آسانی کے ساتھ اپنے اولوالعزم رسول کی پیروی کر سکیں۔ ورنہ وہ وقتیں  
 جو دیگر انبیاء کی امتوں کو پیش آئیں۔ وہی ہمیں بھی پیش آتیں۔ ان کی تعلیموں کے فقدان  
 نے انہیں بجائے انبیاء کی تقلید کے سوسائٹیوں اور اشخاص کا مقلد بنایا۔ ٹھیک اسی  
 طرح اگر ہمارے بنی کریم کی حدیث ہمارے سامنے نہ ہوتی۔ تو ہم بھی مختلف دنیاوی  
 نظام اور جماعتوں کے قوانین کے پابند ہونے پر مجبور ہوتے۔ اور اس بات پر شکر نہیں  
 کر سکتے۔ کہ ہمارا الہامی نظام جو نبی کی زبان سے نکلا۔ اس نے ہمیں دوسروں کی طرف  
 ہاتھ پھیلانے سے بے نیاز کر دیا ہے۔ یہ ساری چیزیں حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم  
 کے تدوینی صورت میں آجانے کا نتیجہ ہیں۔ ورنہ دوسری قوموں کی تعلیم و نبی کی طرح یہ چیز  
 بھی ماضی کی تاریکیوں میں فنا ہو کر رہ جاتی۔ اور ہم دنیا کی قوموں پر لازم دینے کے بجائے  
 خود کف افسوس ملتے نظر آتے۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیْہِ مَن یَّشَآءُ ۗ





# سُنَّت کے معنی اور اسکی تعریف

لُغَت میں سُنَّت کے معنی اس طریقہ کے ہیں جس پر لوگ چلتے ہیں۔ لیکن اطلاقی صورت میں اُس کے معنی طریقہ محمودہ کے آتے ہیں اور غیر محمودہ کے معنی اُس وقت ہوتے ہیں۔ جب کسی خاص قید کے ساتھ مُقید ہو جیسے حدیث کی یہ عبارت من سن سنة سینه کان علیہ وزرہا الی یوم القیامة، لیکن شریعت کی اصطلاح میں آنحضرت کے قول و فعل تقریباً سنت کہتے ہیں۔ اور اس اصطلاح کے اعتبار سے حدیث و سُنَّت دونوں مترادف ہیں سُنَّت کا موضوع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے۔ غایۃ سعادت دارین کا حصول بعضوں نے اس کا موضوع احادیث رسول قرار دیا ہے۔ اور غایت اداب نبی کے ساتھ آراستہ ہونے کی منع کردہ باتوں سے کئے کا نام رکھا ہے۔ لیکن صحیح تعریفیں پہلی ہیں۔ حدیث قول فعل تقریباً عام ہے۔ غایت کو بھی بجائے اسکے فوز دارین کے لفظ سے تعبیر کرنا صحیح ہے۔

بے گہمت ممکن ہے۔ اداب نبی کیساتھ ظاہری انصاف ہو۔ لیکن سعادت دارین نصیب ہونے کی دو قسمیں کی گئی ہیں۔ علم بروایت الحدیث، اور علم بدرایۃ الحدیث علم الروایۃ تو وہ ہے جس میں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک حدیث کے پہنچنے کی کیفیت سے کبھی راہ کے ضبط و عدالت اور کبھی متصل غیر متصل ہونے کی حیثیت سے بحث ہوتی ہے۔ اور اس صنف کا نام اصول حدیث رکھا جاتا ہے۔ علم الدرایۃ وہ ہے جس میں الفاظ حدیث کے مفاہیم و مراد سے قواعد عربیۃ اصول شرعیہ اور احوال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا لحاظ کرتے ہوئے بحث ہوتی ہے۔

لے کشف اصطلاحات الفنون صفحہ ۲۴ و بیان علم الحدیث



علم الرواۃ یعنی اصول حدیث کی ابتدائی تقسیم صرف تین صورتوں پر ہے  
 (۱) صحیح جس کے تمام راوی عادل و ضابط ہوں۔ سلسلہ سند آخر تک منقطع ہو  
 روایت میں کوئی شاذبات نہ ہو۔ اور نہ کسی علت کا شبہ ہو۔  
 (۲) حسن ترمذی کی رائے میں حسن وہ حدیثیں ہیں۔ جن میں کوئی شاذبات نہ ہو۔ کئی  
 طریقوں سے مروی ہوں۔ سند میں کوئی ایسا شخص نہ ہو۔ جس پر کوئی الزام یا تہمت  
 عاید آتی ہو۔

(۳) جو حدیث صحیح یا حسن نہ ہو۔ وہ ضعیف ہے۔ اور اس سے نہ تھا استدلال کرنا  
 بھی ضعف سے مخالی نہیں، موضوع، مقلوب، شاذ، منکر، معطل، مضطرب  
 وغیرہ اسی شاخ سے وابستہ ہیں۔

کس قسم کی روایتیں شرعی دلیل ہو سکتی ہیں، اس میں اختلاف ہے۔ صحیح فیصلہ  
 یہ ہے۔ کہ خبر واحد یعنی صرف ایک شخص کا بیان قطعی اور یقینی نہیں ہو سکتا۔  
 بلکہ وہ مفید ظن ہے۔

حدیث متواتر سے فرضیت ثابت ہوتی ہے۔ اور مشہور سے وہ احکام جو قرآن  
 میں مطلق مذکور ہیں۔ ان کو مقید کیا جا سکتا ہے۔

اکثر محدثین کے نزدیک خبر واحد سے بھی قرآن کی تخریض ہو سکتی ہے۔  
 علم الدراۃ، اس کا واضح مطلب یہ ہے۔ کہ حدیث میں جو واقعہ مذکور ہو۔ اس کی  
 نسبت پہلے یہ نتیجہ کر لینا چاہئے۔ (۱) کہ یہ بات انسانی فطرت کے موافق بھی ہے یا نہیں  
 (۲) جس زمانہ کا یہ واقعہ ہے۔ اس کی خصوصیتیں اس میں کہاں تک موجود ہیں۔ (۳) قرینہ  
 عقلی اس کی نسبت کیا کہہ رہا ہے۔ (۴) جس شخص کی طرف یہ واقعہ مذکور ہے۔ وہ  
 عاداتاً ان باتوں کا خوگر بھی تھا؟ اگر نہیں تھا۔ تو پھر اس خاص واقعہ کے اسباب کیا ہیں۔  
 ان اصول مقررہ کی بنا پر کئی قسم کی حدیثیں مشتبه سمجھی گئی ہیں، یعنی اس احتمال کی وجہ  
 سے کہ روایت کے تغیرات نے غالباً واقعہ کی صورت بدل دی ہوگی۔ محدثین نے فیصلہ  
 کر لیا ہے۔ کہ ذیل کی یہ حدیثیں کارآمد نہیں ہو سکتیں، اگرچہ یہ تمام وجوہات قطعی طور پر



کسی حدیث کی موضوعیت کے سبب نہیں بن سکتے۔ لیکن اگر ہو سکتے ہیں۔ تو یہی ہو سکتے ہیں۔

(۱) وہ حدیث جو عقل کے مخالف ہو۔

(۲) جو اصول سے موافق نہ ہو،

(۳) مشاہدہ کے خلاف ہو۔

(۴) قرآن کے خلاف ہو،

(۵) حدیث متواتر کے خلاف ہو۔

(۶) اجماع قطعی کے خلاف ہو۔ اور قابل تاویل بھی نہ ہو۔

(۷) جس میں ایک معمولی سی بات پر سخت عذاب کی دھمکی دی گئی ہو۔

(۸) ذرا ذرا سے کاموں پر بڑے بڑے ایغابات کا وعدہ ہو۔

(۹) حدیث کا سلسلہ روایت یا مضمون اصولاً قابل اعتراض

علامہ ابن الجوزی فرماتے ہیں۔

(۱) کل حدیث ردیئة یخالف العقول او یناقض الاصول فما علم انہ من موضوع

فلا تتكلف اعتبارہ ای لا تعبرسا وایتذ ولا تنظر فی جس جسم او یکن مما یدفعہ

الحسن و المشاهدة او ہبائیا لئلا ینقض کتاب و السنة المتواترة او الاجماع القطعی

حیث لا یقبل شیء من ذلک التاویل (۵) او تتضمن الافراط بالوعید الشدیدیہ

علی الامم الیسیر او بالوعید العظیم علی الفعل الیسیر وھذا الاخییر کثیر موجود

فی حدیث القصاص و السوفیة (۶) او الفرادہ عن المرید کہ بما لم یوجد

عندہ غیرہ (۷) او الفرادہ بشیء مع کونہ فیما یلزم الملکفین علمہ و قطع العذر

فیہ کما قررہ الخطیب فی اول الکفایة (۸) او بامم جمیم تنقیر الدواعی علی

نقد کحص العدد للحاج عن البیت او بما صرح بتکذیبہ فیہ جمع کثیر یمتنع

فی العادۃ تو اطمہم علی الذنب و تقلید بعضهم بعضا فتح المغیث ص ۱۱۴

۱۲ کلام المر فوع فیما یتعلق باحادیث الموضوع ۱۲ ایک چھوٹا سا رسالہ ہے۔



نے اور یہی زمانہ اس فن کے عروج کا انتہائی زمانہ تھا۔ اور اسی پر اس کا عروج ختم ہو گیا، پھر اس کے بعد یہ جذبہ تلاش و تحقیق کم ہو گیا۔ اور ہمیں سست اور آرزوئیں کم ہو گئیں۔ اور ایک اس پر کیا موقوف ہے۔ تمام علوم و فنون و صنعت و معرفت و حکومت و سلطنت کا یہی حال ہے۔ کہ ایک دور ان کے عروج کا ہوتا ہے۔ پھر جب وہ انتہائی عروج پر پہنچ جاتی ہیں۔ تو آہستہ آہستہ مائل یا سخطا ط ہوتی ہیں، تو اس علم حدیث کے انتہائی عروج کا زمانہ بھی امام بخاری و مسلم اور ان کے معاصر محدثین کا زمانہ تھا۔ ان کے بعد یہ علم بھی رو با سخطا ط ہوا۔ یہاں تک کہ ہمارے اس زمانہ میں اس کی حالت دیکھ رہے ہو۔ اور اس کے بعد والے زمانہ میں اور زیادہ پستی میں آ جائیگا۔ اور کمی ہی ہوتی جائیگی۔ پھر اسی کے بعد فرماتے ہیں۔ لوگوں نے اپنی ان تصنیفوں سے مختلف غرضیں رکھی ہیں۔ بعضوں نے تو صرف حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمع کیں۔ تاکہ لفظوں کی حفاظت ہو۔ اور احکام کا ان سے اخراج کیا جائے۔ جیسا کہ سب سے پہلے عبید اللہ ابن موسیٰ العیسیٰ اور ابو داؤد طیبی اسی وغیرہ۔ آئمہ حدیث نے کیا۔ اور پھر احمد بن حنبل اور ان کے بعد والوں نے کیا۔ کیونکہ ان لوگوں نے حدیثوں کو ان کے رواۃ کی مسندوں میں ذکر کر کے اس کے ماتحت ان کی روایت کی ہوئی سب حدیثیں جمع کر دیں۔ مثلاً حضرت ابوبکر صدیق کی حدیثیں ان کی مسند میں جمع کر دیں۔ پھر درجہ بدرجہ دیگر صحابہ کی حدیثیں جمع کر دیں۔ پھر درجہ بدرجہ دیگر صحابہ کی حدیثیں جمع کر دیں۔ اور بعضوں نے حدیثیں ابواب و تراجم کے ماتحت ذکر کیں۔ مثلاً احکام صلوٰۃ کی حدیثیں باب صلوٰۃ کے ماتحت اور زکوٰۃ کی باب الزکوٰۃ میں، جیسا کہ امام مالک نے موطا میں کیا۔ لیکن چونکہ موطا میں حدیثیں کم ہیں۔ اس لئے اس کے ابواب بھی کم ہوئے۔ پھر ان کے بعد والوں نے ان کی روش اختیار کی۔ جب بخاری و مسلم کا زمانہ آیا۔ تو انہوں نے بہت کافی حدیثیں جمع کیں۔ اور اسی وجہ سے ان کے ابواب و اقسام بھی بہت ہو گئے۔ اور ان کے بعد والوں نے ان کی اقتدا کی۔ اور جمع حدیث کی یہ صورت پہلی صورت



سے دو وجہوں سے اچھی ہے۔ اولاً اس لئے کہ انسان کبھی کسی خاص مفہوم کی حدیث  
تلاش کرنا چاہتا ہے۔ اور نہ یہ جانتا ہے۔ کہ یہ کس مسند میں ہے۔ اور نہ اس  
کے راوی کے متعلق کوئی بحث کرنی ہوتی ہے۔ ایسی صورت میں ان مسندوں میں  
تلاش جستجو میں سخت وقت واقع ہوتی ہے دوسری وجہ یہ ہوتی ہے کہ جب انسان  
مثلاً کسی حدیث کو باب الصلوٰۃ میں دیکھے گا۔ تو فوراً سمجھ جائیگا۔ کہ اس میں صلوٰۃ  
کے متعلق کوئی خاص بات یا حکم بیان کیا گیا ہے۔ تو اسے زیادہ غور کرنے کی ضرورت  
نہ ہوگی۔ اور بعضوں نے تدوین حدیث کی یہ صورت اختیار کی۔ کہ ایسی حدیثیں  
جمع کر دیں۔ جن میں ادق الفاظ یا مشکل مطالب اور ان کی شرح کی ضرورت تھی۔  
لیکن احکام وغیرہ سے کوئی بحث نہیں کی۔ جیسا کہ ابو عبید القاسم ابن سلام  
اور عبدالہد ابن مسلم ابن قتیبہ وغیرہ نے کیا۔ اور بعضوں نے نفس حدیث کے بیان  
کے ساتھ احکام کا ذکر اور ان کی راہیں بھی داخل کر دیں۔ جیسا کہ ابو سلیمان احمد بن محمد  
الخطابی وغیرہ نے کہا۔ اور بعضوں نے مشن حدیث کو چھوڑ کر صرف حدیثوں کے  
غریب الفاظ جمع کر دیئے۔ ان کا مقصد صرف غریب الفاظ کی تحقیق تھی۔ جیسا کہ  
ابو عبید احمد بن محمد اہرومی وغیرہ نے کہا۔ بعضوں نے صرف ایسی حدیثیں جمع کیں۔  
جن میں ترغیب ترہیب اور احکام شرعیہ تھے۔ تو انہوں نے صرف متون اور ان  
کے احکام سے بحث کی۔ جیسا کہ محمد الحسین بن مسعود البغوی نے اپنی کتاب المصابیح میں  
کیا۔ ان کے علاوہ اور ائمہ حدیث ہیں۔ جنہوں نے مختلف اصول و نوعیت کے ساتھ  
تدوین حدیث کی۔ اگر ان سبھوں کا ذکر کروں اور کتابوں کا نام لوں۔ تو ایک غیر منہا ہی  
سلسلہ قائم ہو جائے، ابن الاثیر کے اس بیان نے تدوین حدیث کی ضرورت  
کو بہت واضح کر دیا ہے۔ لیکن ایسی کے ساتھ دیگر علما کے اقوال بھی سن لینا چاہئیں  
جن سے مزید بصیرت حاصل ہو۔ کیونکہ اس مسئلہ میں علمائے اختلاف کیا ہے۔ کہ  
حدیث کی تدوین سب سے پہلے کس کے ہاتھوں ہوئی، حافظ ابن حجر عسقلانی نے تدوین

سلسلہ سبوالقیلین النجفی علی موطا الایام محمد مولانا عبدالحی الفزنگی علی



حدیث کے اسباب ذیل کے الفاظ میں بیان کئے ہیں۔ مقدمہ فتح الباری میں فرماتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہمارے اور تمہارے علم میں اضافہ کرے جانا چاہئے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار خود آپ کے اور آپ کے صحابہ اور کبار تابعین کے زمانے میں مدون نہ تھے۔ اس کی دو وجہیں تھیں۔ پہلی یہ کہ لوگ شروع شروع کتابت حدیث سے روک دئے گئے تھے، جیسا کہ صحیح مسلم میں ہے کہ کتاب اللہ سے احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے غلط ملط ہو جانے کا خدشہ تھا، دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ لوگوں کا حافظہ بہت قوی تھا۔ اور بہترے لوگ لکھنا چاہتے بھی نہیں تھے، پھر تابعین کے آخری دور میں تدوین کا کام شروع ہوا۔ جب کہ علماء مختلف شہروں اور ملکوں میں پھیل گئے۔ اور خوارج و روافض اور قدیوں کی کثرت ہو گئی۔ تو پہلے پہل اس تدوین کا کام ربیع بن یزید اور سعید بن ابی عروبہ وغیرہما نے کیا۔ اور وہ ہر باب علیحدہ علیحدہ لکھا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ تیسرے طبقہ کے بڑے علماء دوسری صدی کے درمیانی زمانہ میں آئے۔ اور احکام کی تدوین کی۔ امام مالک بن انس نے موطا لکھی۔ اور اہل حجاز کی قوی حدیثیں اور صحابہ و تابعین اور ان کے بعد والوں کے اقوال جمع کئے۔ اور مکہ میں ابو محمد عبد الملک بن عبد العزیز ابن جریج نے ایک کتاب لکھی، اور ادبائی نے شام میں ابو عبد اللہ سفیان الثوری نے کوفہ میں حماد بن سلمہ بن دینار نے بصرہ میں۔ اور مشیم نے واسط میں، مہر نے مین میں بن المبارک نے خراسان میں، جریر بن عبد الحمید نے "رے" میں تدوین حدیث کی۔ ان سبوں کی تدوین کا ایک ہی زمانہ تھا۔ اس لئے تقدیم و تاخیر کا کوئی پتہ نہیں لگ سکتا۔ پھر بہترے پچھلوں نے ان اگلوں کے نقش قدم پر تدوین شروع کی۔ اور بعضوں کا خیال ہوا کہ آثار صحابہ و تابعین کو چھوڑ کر صرف حدیث نبوی جمع کی جائیں۔ اور یہ تحریک دوسری صدی کے اختتام پر شروع ہوئی۔ تو لوگوں نے مسندیں تصنیف کیں۔ چنانچہ عبد اللہ بن مرسی البیسی نے ایک مسند تصنیف کی۔



اور نعیم بن حماد الخزاعی نے ایک مسند لکھی۔ پھر آئمہ نے اس طریقہ تدوین کو بھی اختیار کیا۔ اور ان کے بعد شامی کوئی ایسا حافظ الحدیث ہو جس نے ایک مسند لکھی ہو۔ نام اسید بن حنبل، اسحاق بن راہویہ، عثمان بن ابی شیبہ وغیرہم سبوں نے مسندیں لکھیں، بعضوں نے ابواب و مسانید کو ایک ساتھ بھی جمع کیا۔ جیسے ابوبکر بن ابی شیبہ، الخ، اس کے بعد جو تفصیل انہوں نے لکھی ہے۔ وہ کتاب بخاری کے بیان کے سلسلہ میں آئیگی۔ یہ تو ابن حجر کا بیان تھا۔ لیکن شیخ جلال الدین سیوطی رح کتاب لوسائل فی معرفۃ الاولیاء میں لکھتے ہیں۔ حدیث کی تدوین سب سے پہلے ابن شہاب زہری نے حضرت عمر بن عبدالعزیز کے زمانہ خلافت میں کی۔ اور اس قول کی تصدیق وہ ابو نعیم کی "حلیۃ الاولیاء" سے بھی کرتے ہیں۔ ابو نعیم فرماتے ہیں۔ سب سے پہلے ابن شہاب زہری نے عمر بن عبدالعزیز کی خلافت میں تدوین حدیث کی۔ لیکن امام محمد نے اپنی موطا میں مالک سے روایت کی ہے۔ کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے ابوبکر محمد بن عمرو بن حزم کو لکھا۔ کہ وہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حدیث عمر بن الخطاب و دیگر صحابہ کی حدیثیں جمع کر کے میرے پاس بھیجیں کیونکہ مجھے علم کے مٹ جانے اور علما کے انتقال کر جانے کا اندیشہ ہے۔ یہ روایت موطا امام مالک میں بھی موجود ہے۔ کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے تمام شہر و ملک کے علما کو لکھا تھا۔ کہ وہ حدیثیں جمع کریں۔ کیونکہ علم کے مٹ جانے اور علما کے فنا ہونے کا اندیشہ ہے۔ اور ابوبکر بن عمرو بن حزم کو بھی لکھا۔ کہ وہ حدیثیں جمع کر لیں اور میرے پاس بھیجیں۔ لیکن ان کے بھیننے سے پہلے ہی حضرت عمر بن عبدالعزیز نے انتقال فرمایا۔

اس کے بعد ان کا بیان حافظ ابن حجر اور عراقی سے ملتا جلتا ہے۔ آخر میں فرماتے ہیں۔ کہ اس بات میں بھی اختلاف ہے۔ کہ مسند سے پہلے کس نے لکھی۔ دارقطنی کا بیان ہے۔ کہ نعیم نے خطیب کہتے ہیں۔ اسد بن موسیٰ نے حاکم کہتے ہیں۔ عبید اللہ نے عقیلی کہتے ہیں۔ یحییٰ النعمانی نے، ابن عدی کا بیان



ہے۔ کہ کوفہ میں سب سے پہلے عبداللہ نے مسند لکھی۔ اور بصرہ میں سب سے پہلے مسند  
 نے مسند لکھی۔ اور مصر میں سب سے پہلے اسد نے مسند لکھی۔ لیکن اسد نے ان دونوں  
 سے پہلے لکھی۔ اور انتقال بھی پہلے کیا۔ اور صحیح مجرد سب سے پہلے بخاری نے لکھی  
 یہ تفصیل ابن صلاح نے کی ہے۔ انتہی کلام ایسوطی اور صحیح مجرد سے ان کا مقصود  
 یہ ہے۔ کہ صحیح تو پہلے بھی لکھی گئیں۔ لیکن ان میں موقوفات و تقاطع بھی تھیں۔  
 جیسے موطا مالک، امام محمد کے اس قول کے ہر وی نے بھی اپنی مسند سے تائید کی ہے۔ نیز ابن  
 مہدی میں ابن وہب سے روایت کی ہے۔ کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے تمام شہر و ممالک کے علما کو لکھا تھا۔  
 کہ وہ حدیث جمع کریں۔ کیونکہ علم کے مٹ جانے اور علما کے فنا ہونے کا اندیشہ ہے۔ اور ابو بکر بن  
 عمرو بن حزم کو بھی لکھا۔ کہ وہ حدیث جمع کریں اور میرے پاس بھیجیں۔ لیکن ان کے بچھرنے سے  
 قبل ہی حضرت عمر بن عبدالعزیز نے انتقال فرمایا۔

حفاظ و محدثین کے اس بیان کے بعد آپ اچھی طرح سمجھ گئے ہونگے۔ کہ اس دینی علم کے ترویج  
 کے کیا اسباب ہوئے۔ اور لوگوں نے کتنی جانفشانی و عزت ریزی کی تاکہ اللہ کے سچے رسول کے اقوال و اعمال  
 کن مفید و اعلیٰ اصولوں میں آپ کے سامنے پیش کئے۔ اب اسکی پوری تفصیل معلوم کرنے کے لئے یہ جانتا  
 ضروری ہے۔ کہ ان ابتدائی صدیوں میں ہر صدی کے اندر کون کونسی کتابیں عالم وجود میں آئیں

## دوسری صدی ہجری کی مشہور کتابیں

موطا امام مالک، جامع سفیان ثوری جامع ابن المبارک جامع جریر ابن  
 عید الحمید جامع ہشیم، جامع معمر، جامع ہماوین سلمہ، جامع اوزاعی جامع ابن جریج،  
 مسند امام شافعی اور ان کی مختلف الحدیث، جامع عبدالرزاق صنعانی۔ مصنف  
 شعبہ بن الجراح مصنف سفیان بن عیینہ، مصنف لیث ابن سعد، کتاب الامثال  
 و امالی امام محمد کتاب الخراج و امالی ابو یوسف القاضی، اس دوسری مشہور ترین  
 کتابیں تھیں۔ ورنہ ان کے علاوہ اس صدی میں اور بہت لوگوں نے تدوین کی  
 تھی، ان میں بعض کتابوں کو شرف قبولیت و بقاء دوام حاصل ہوا۔ اور بعض



فتا اور معدوم ہو گئیں۔ یہ مشہور ترین کتابیں تھیں۔ اس لئے ان کا فراموش کرنا درست نہ تھا۔

## تیسری صدی ہجری کی مشہور کتابیں

بخاری، مسلم، ابوداؤد، سنن ابن ماجہ، ترمذی، مسند امام احمد بن حنبل  
 منتهی فی الاحکام لابن الجارود، مستفاد ابن ابی شیبہ، کتاب محمد بن نصر المروزی  
 منصف سعید بن منصور، کتاب تہذیب الآثار لمحمد بن نصر المروزی یہ کتاب ان  
 کی بہترین کتابوں میں ہے۔ اس کی بہت سی خصوصیات دوسروں میں نہیں ملتیں۔  
 المسند الکبیر لبقی بن مخلد، القریٰ اسکی ترتیب اسماء صحابہ پر رکھی ہے، اور اس  
 میں ایک ہزار تین سو پچھتر زیادہ صحابہ کی روایتیں جمع کی ہیں۔ پھر صحابی کی  
 حدیث ابواب فقہ کے قاعدہ پر ذکر کی ہے، کتاب اپنے ضبط القان اور راویوں کی  
 عدالت کے لحاظ سے بہت اعلیٰ ہے۔ مسند عبد اللہ بن موسیٰ، مسند اسحاق بن اصبہ  
 مسند عبد ابن حمید، مسند داؤد، مسند ابو یعلیٰ الموصلی، مسند ابواسامہ الحارث بن محمد  
 الیثی، مسند ابن ابی عاصم احمد بن عمرو الشیبانی، اس میں تقریباً پانچ ہزار حدیثیں ہیں  
 مسند ابن ابی عمر محمد بن سبکی العدنی، مسند ابی ہریرہ لابراہیم بن حرب العسکری، مسند  
 الامام علی لا احمد بن شعیب النسائی، مسند العنبري ابراہیم ابن اسماعیل الطوسی،  
 مسند کبیر للبخاری، مسند داؤد ابن مسدد، مسند محمد بن ہدی، مسند الحمیدی،  
 مسند ابراہیم بن معقل الغسفی، مسند ابراہیم بن یوسف الطنجالی، مسند مالک ابن  
 انس لا احمد بن شعیب النسائی، مسند الکبیر الحسن بن سفیان، مسند المصلح لابی بکر  
 البزار، مسند بن یحییٰ الکبیر یعقوب بن شیبہ اس سے بہتر مسند کوئی نہ لکھی  
 گئی۔ لیکن پوری نہ کی جاسکی۔ مسند علی بن المدینی، مسند ابن ابی عذرہ احمد بن  
 جازم۔ مسند عثمان بن ابی شیبہ ان کے علاوہ اس صدی کی اور بھی بہت سی  
 مسندیں ہیں۔ جو علوم کے خوف سے نظر انداز کی جاتی ہیں۔ اگر تحقیق کا



شوق ہے۔ تو کشف الظنون عن اسامی الکتب و الفنون دیکھنا چاہئے۔

## چوتھی صدی ہجری کی مشہور کتابیں

المعجم الکبیر واللاوسط والاصغیر الامام سلیمان ابن احمد الطبرانی، کبیر میں صحابہ کی ترتیب حروف کے قاعدہ پر کی ہے۔ اور تقریباً ساڑھے بیس ہزار حدیثیں جمع کی ہیں۔ اور اوسط اور اصغر میں اپنے شیوخ کو اسی ترتیب حروف کے ساتھ مرتب کیا ہے۔ سنن دارقطنی، صحیح ابی حاتم محمد حبان البستی صحیح المفتقی لابن اسکن۔ سعید بن عثمان البغدادی، المفتقی لقاسم ابن اصبح محدث اللاندس، مصنف الطحاوی مسند ابن جمیع محمد بن احمد، مسند محمد بن اسحاق۔ مسند ابی اسحاق ابراہیم بن نصر الزوری وغیرہ۔

## موطا الامام مالک ر ح

رجح نسبو

دوسری صدی ہجری کی صحیح ترین کتابوں میں ہے۔ امت نے اس کی پوری قدر دانی کی۔ اور اس کو حدیث کی معتبر کتاب سمجھی۔ اس کا نام موطا کہنے کی بعض لوگ یہ وجہ بتاتے ہیں۔ کہ امام مالک نے اپنی یہ کتاب مدینہ کے ستر فقہوں کو دکھایا کہ اس کی تصدیق کرائی تھی۔ اس لئے اس کا نام موطا رکھا۔ کیونکہ نوطہ کے معنی روندنے کے ہیں۔ تو گویا ان ستر بزرگوں نے اس کو روندنا تھا۔ یعنی اس کی صحت کی تصدیق کی تھی۔ موطا مختلف قسم کی روایتوں کا مجموعہ ہے۔

مرفوع، مسند، منقطع، مرسل، ہر طرح کی روایتیں اس میں موجود ہیں، امام نے ان میں سے ہر ایک کے ساتھ احتجاج کیا ہے۔ امام کے بعض مقلدین نے موطا کے تمام مراسل و منقطعات کو موصول کیا ہے۔ چنانچہ علامہ ابن عبد البر نے کوئی مرسل منقطع، اور مفصل روایت ایسی نہیں چھوڑی۔ جسے متصل یا بسند نہ کر دیا ہو۔



ہاں صرف چار حدیثیں ایسی رہ گئیں جن کی سند کا کوئی پتہ نہ لگ سکا، موطا کی کل حدیثیں سترہ سو تیس ہیں۔ ۶۰۰ سند۔ ۲۲۸ مرسل، ۶۱۳ موقوف، اور دو سو چالیس اقوال تابعین ہیں۔ امام مالک کی موطا جب عالم وجود میں آئی۔ تو اس کی عظمت تمام کتابوں سے زیادہ ہوئی۔ ابو نعیم نے حلیہ میں لکھا ہے کہ ہاروں رشید نے امام مالک سے اجازت چاہی تھی۔ کہ موطا کو خانہ کعبہ کے دروازے پر لٹکا دے اور تمام لوگوں کو اسی کی پیروی کا حکم دے۔ لیکن حضرت امام نے یہ کہہ کر روک دیا۔ کہ صحابہ کرام فروع میں باہم دیگر مختلف ہیں۔ اور اپنی بصیرت کے ماتحت مصیبت ہیں۔ اس لئے لوگوں کو کسی ایک مذہب پر مجبور کرنا درست نہیں، ہاروں نے کہا۔ ابو عمید الدقم ٹھیک کہتے ہو، اور اپنے خیال سے رجوع کر لیا۔ بعضوں نے اس حکایت کو منصور کی طرف منسوب کیا ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ کا خیال ہے۔ کہ کتاب اللہ کے بعد مالک کی کتاب سب سے زیادہ صحیح ہے۔ لیکن چھوڑ محمدین اُس کے مخالف ہیں۔ وہ کہتے ہیں۔ امام شافعی نے یہ اس وقت کہا تھا جب بخاری نہیں لکھی گئی تھی۔ لیکن بخاری کی تصنیف کے بعد اب افضلیت کا شرف بخاری کو حاصل ہے۔ کیونکہ امام شافعی نے اس وقت کی تصنیف شدہ کتابوں کے مقابلہ میں یہ فرمایا تھا۔ جیسے جامع سفیان ثوری و مصنف حماد بن سلمہ وغیرہ ابن حجر نے ابن صلاح سے یہی نقل کیا ہے۔ نیز فتح المغیث میں بخاری اور تدریب الرادی میں سیوطی نے اس کی کافی بحث کی ہے۔ وہ کہتے ہیں۔ کتاب اللہ کے بعد صحیح ترین کتاب بخاری اس کے بعد مسلم ہے۔ کیونکہ ان دونوں میں صحیح حدیثیں موطا مالک سے زیادہ ہیں۔ لیکن بعض آئمہ حدیث بخاری کو موطا پر افضل کرنے میں یہ اعتراض کرتے ہیں۔ کہ جب شرائط صحت میں دونوں برابر ہیں۔ تو پھر بخاری کی افضلیت کے کیا معنی ہیں۔ اس کا جواب حافظ بن حجر نے یوں دیا ہے۔ اس کا فیصلہ دونوں کے شرائط صحت کے موازنہ سے کیا جائے۔ امام مالک رحمہ اللہ کی کتاب میں تراویح و منقعات و بلاغات سے بھی دلیل لائی گئی ہے۔ کیونکہ ان



کے نزدیک صحت حدیث کے لئے یہ مراہیل و منقطعات وغیرہ نفاہان نہیں ہیں۔ اسی لئے امام مالک رحمہ اللہ اپنی اصل کتاب میں ان سے دلیل لاتے ہیں۔ اور بخاری اصل کتاب میں کوئی مرسل و منقطع حدیث نہیں لاتے۔ اور ظاہر ہے کہ مرسل وغیرہ اگرچہ اگلے آئمہ کے نزدیک قابل حجت تھیں۔ لیکن مرفوع و مسند کے مقابلہ میں وہ نہیں لائی جاسکتیں۔ موطا امام مالک کی مختلف شرحیں لکھی گئیں۔ اور مختلف اختصار کئے گئے، حافظ ابن عبد البر نے ایک کتاب لکھی۔ جس کا نام التقی لا احاد بیت الموطا اور ایک کا نام التمهید لسانی الموطا من المعانی و الاسانید رکھا۔ ابن خزم اس کتاب کے متعلق یہ خیال رکھتے ہیں۔ کہ یہ فقہ و حدیث دونوں کا مجموعہ ہے۔ اور ایسی بے نظیر کتاب میری نظروں سے نہیں گذری۔ موطا کی ایک شرح ابو محمد عبد اللہ ابن محمد النخعی البطلیمیوسی نے کی۔ ایک شرح قاضی ابن العربی المالکی المغربی نے القس کے نام سے کی۔ ایک شرح جلال الدین سیوطی رح نے کشف المغطانی شرح الموطا کے نام سے کی۔ پھر اس کا ایک اختصار تنویر الیوم اکاب کے نام سے کیا۔ ایک شرح محمد بن عبد الباقی الزرقانی نے تین ضخیم جلدوں میں کی۔ دو شرحیں (فارسی و عربی) شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے کی۔ فارسی شرح کا نام مصنفی رکھا۔ جس میں صرف احادیث و آثار کی شرح کی۔ اور بلاغات وغیرہ حذف کر دیئے۔ اس شرح میں شاہ صاحب نے اجتہادی روش اختیار کی ہے، عربی شرح کا نام موسوی رکھا۔ اور حسب ضرورت مباحث لکھے۔ اور لغات غریبہ کی تحقیق کی، موطا کے مختصرات بھی بہت ہیں۔ جن میں کہ چند نمونے یہ ہیں۔ مختصر الاما الخطابی احمد بن محمد البستی، مختصر ابی الولید سلیمان ابن خلف الباجی، ابن رشیق البیروانی،

## “موطا کی شرحوں کے مختلف اغراض“

موطا کی شرحیں علمائے مختلف پہلوؤں سے کیں۔ غرائب موطا و رجال موطا



شواہد موطا، اطراف الموطا، موطا کے غرائب کی تحقیق میں، برقی، احمد بن عمران الخفیش  
 ابو القاسم العثماني، نے شرحیں لکھیں۔ رجال کی تحقیق میں، ابو عبد اللہ الحداد ابو  
 عبد اللہ بن المغرہ، برقی، ابو عمر الطنکی نے کتابیں لکھیں، شواہد موطا قاضی اسماعیل نے  
 لکھی۔ دارقطنی نے اختلاف الموطا ابو الولید باجی ابو بکر ابن الجیب نے اطراف الموطا  
 لکھیں۔ ابن عبد البر نے التقتی فی مسند حدیث الموطا و اسلہ، کے نام سے  
 ایک شرح لکھی۔ یہ معتد بہ بیان موطا پر ایک حد تک تفصیلی بصیرت کے لئے لکھا  
 گیا ہے۔ آئندہ باب میں موطا کے متعلق مزید بحث و تمحیص کی جائیگی۔ اس کتاب  
 کے علاوہ دوسری صدی ہجری کی کوئی ایسی کتاب نہیں جو عام امت کی گرویدگی  
 و شیفتگی حاصل کر سکی ہو۔ اس لئے اس کو نظر انداز کیا جاتا ہے۔

## تیسری صدی ہجری کی وہ کتابیں جنہیں صرف احادیث نبوی جمع کی گئیں

اب تک یہ بیان کیا گیا ہے۔ کہ حدیثیں کس زمانہ سے جمع کی جانے لگیں۔  
 اور ان کے کیا اسباب ہوئے۔ لیکن یہ معلوم کرنا باقی تھا۔ کہ ہر دور میں اس کی  
 تدوین کس نوعیت سے ہوتی رہی اور دوسری صدی ہجری تک تو اکثر مصنفین نے  
 اپنی کتابیں اس طرح لکھیں۔ کہ حدیث مرفوعہ کے ساتھ اقوال صحابہ و تابعین و تبع  
 تابعین سب جمع کر دے، اور کسی ایک مسئلہ کے متعلق حضرت رسول اللہ صلی اللہ  
 علیہ وسلم اور صحابہ، تابعین و تبع تابعین سے جو کچھ بھی پہنچا۔ سب اکٹھا کر دیا۔ لیکن تیسری  
 صدی کی ابتدا ہی سے تصنیفی ذوق بدل گیا۔ اور لوگ صرف حدیثیں جمع کرنے لگے  
 لیکن اس جمع و تدوین کی بھی مختلف صورتیں قائم ہوئیں۔ بعضوں نے صرف حدیثیں  
 جمع کر دیں۔ اور ان کی صحت و سقم سے کوئی بحث نہیں کی۔ گویا ان کی کتاب صحیح  
 حسن، ضعیف، منکر ہر قسم کی ردائوتوں کا مجموعہ بنی۔ بعضوں نے اس غلطی کو محسوس  
 کیا۔ اور صرف صحیح حدیثیں جمع کیں۔ ان میں سب سے نمایاں شخصیت امام بخاری



کی ہے۔ جنہوں نے اس پاکیزہ طریقہ کی بنیاد رکھی۔ اور دوسروں کو اس راہ پر چلنے کا موقع دیا۔ امام بخاری کے بعد امام مسلم نے اسی طریقہ پر اپنی کتاب لکھی۔ پھر ان دونوں کے بعد یان کے زمانہ میں دیگر محدثین نے یہی طریقہ اختیار کیا۔ اور یہ سچ ہے۔ کہ علم حدیث کا درخشندہ دور یہی تیسری صدی ہے۔ اسی میں یہ علم انتہائی کمال کو پہنچا۔ اور سنت کی سب سے مشہور کتابیں اسی دور میں لکھی گئیں۔ اسی میں ابوداؤد ابن ماجہ، ترمذی، نسائی نے اپنی کتابیں لکھ کر حدیث کی حقیقی عظمت سے دنیا کو روشناس کیا۔ ورنہ اس سے قبل تک دنیا نے اس جامعیت کی کتابیں مطالعہ نہیں کی تھیں۔ اور عام انسانی فہم ان کی تدوین کے قبل حدیث کی صحت و سقم کا کوئی صحیح معیار نہیں معلوم کر سکا تھا، ابن الاثیر نے بالکل صحیح کہا ہے۔ کہ تیسری صدی ہی اس علم کے آخری عروج کے ایام ہیں۔ جس کے بعد دوسرے علوم و صنعتوں کی طرح یہ علم بھی اسخطاط پذیر ہوتا گیا۔

اس بیان کے بعد یہ بھی معلوم کر لینا چاہئے۔ کہ صحیح و غیر صحیح احادیث کے جمع کرنے کی بھی محدثین نے مختلف صورتیں قائم کیں۔ بعضوں نے ان کی ترتیب فقہی اصول پر قائم کی۔ اور ہر باب کے ماتحت اس کے مطابق حدیثیں درج کیں۔ جیسے صلوٰۃ (نماز) کی حدیث باب الصلوٰۃ کے اندر ذکوٰۃ کی باب الزکوٰۃ میں اور اس میں بھی دو طریقے قائم ہوئے۔ کہ اس ترتیب سے بعضوں نے صرف صحیح حدیثوں پر اکتفا کیا۔ اور بعضوں نے صحیح کے ساتھ حسن و غیرہ داخل کر دیں۔ جیسے ابوداؤد ترمذی نسائی وغیرہ نے کیا۔ جمع حدیث کی دوسری صورت بطور مسانید ہوئی۔ جس کا راجح اوپر کے بیان میں ہو چکا ہے) کہ وہ اس طرح کہ ہر صحابی کے نام سے اس کی ساری روایات جمع کر دیں۔ جیسے حضرت ابوبکر کے نام کے ماتحت ان کی ساری روایات جمع کر دی گئیں۔ چاہے وہ مختلف المعانی ہوں۔ پھر اسماء صحابہ کی ترتیب بھی مختلف طور پر قائم ہوئی۔ بعضوں نے حروف مجسم کے قاعدہ پر ترتیب دی۔ جیسے طبرانی نے مجسم کبیر اور ضیاء نے مختارہ میں کیا۔ لیکن افوس کہ مختارہ کی تکمیل نہ



ہو سکی۔ یہ صورت مطالب حدیث معلوم کرنے کے لئے بہت سہل اور عمدہ ہے۔  
 بعضوں نے قبائلی ترتیب رکھی۔ مثلاً پہلے بنی ہاشم اس کے بعد درجہ بدرجہ حضرت  
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو لوگ نسب میں قریب تر تھے۔ ان کو رکھا۔ بعضوں  
 نے ترتیب اسماءیں سبقت اسلام کا لحاظ رکھا۔ اور پہلے عشرہ مبشرہ ان کے بعد  
 اہل بدر ان کے بعد اہل حدیبیہ ان کے بعد حدیبیہ اور فتح مکہ کے درمیان ایمان  
 لانے والے صحابہ، پھر وہ جو فتح مکہ میں ایمان لائے۔ پھر وہ صحابہ جو سن کے اعتبار  
 سے بہت چھوٹے تھے۔ اس کے بعد صحابیات کے بیان پر اپنی کتاب ختم کی۔  
 ابن حبان نے اپنی صحیح میں ایک تیسرا طریقہ اختیار کیا ہے۔ جس کی ترتیب  
 پانچ قسموں پر ہے، اوامر، نواہی، اخبار، اباحات، افعال الہی صلی اللہ علیہ وسلم  
 اور پھر ان پانچوں کی مختلف قسمیں ہیں۔ ایسی صورت میں ان کی کتاب کے مملوبات  
 اخذ کرنا بہت مشکل ہے۔ لیکن بعض متاخرین نے اس وقت کو دیکھ کر اس کی ترتیب  
 بقاعدہ ابواب کر دی ہے۔ حافظ ابوالفضل عراقی نے اس کے اطراف قائم کئے  
 ہیں۔ اور حافظ ابوالحسن ہمشیمی نے اس کا وہ حصہ جو بخاری مسلم سے زاد تھا۔  
 ایک جگہ جمع کر دیا ہے۔ بعض محدثین نے جمع حدیث کی ایک اور صورت پیدا  
 کی ہے جو تمام صورتوں سے علیحدہ ہے۔ یعنی حدیث کی ترتیب حروف معجم کے  
 قاعدہ پر کی ہے۔ تو گویا حدیث **انما الأعمال بالنیات** حرف الف کے ضمن میں  
 ہوگی۔ ابو منصور ویلی نے مسند الفردوس میں یہی طریقہ اختیار کیا ہے۔ نیز ابن طاہر  
 نے ابن عدی کی کتاب الکامل کی حدیثوں کے بیان کرنے میں بھی یہی طریقہ اختیار  
 کیا ہے۔ بعضوں نے حدیثیں بصورت اطراف جمع کی ہیں، اطراف کے معنی یہ ہیں  
 کہ پوری حدیث کا ایک ٹکڑا بیان کیا جائے۔ اور پھر اس کے سارے طرق  
 کتابوں کے حوالہ کے ساتھ یا بغیر حوالہ بیان کئے جائیں۔ جیسا کہ ابو العباس احمد  
 بن ثابت العراقی نے اطراف الکتب الخمسة کے بیان میں کیا ہے۔ علم الاطراف  
 کی پوری بحث انشا اللہ آئیگی۔ ان ساری تفصیلات کے بعد میں ایک اور



بہتر اور پسندیدہ طریقہ کی آپ کو خبر دینا چاہتا ہوں۔ بعض آئمہ نے حدیثوں کی تدوین مغلل کی ہے۔ مغلل کے معنی یہ ہیں۔ کہ ہر حدیث کے ساتھ اس کے سارے طرق روایت، اختلاف روایت سب کچھ بیان کئے جائیں۔ مغلل حدیث کی پہچان۔ علم حدیث کا ایک بہت بڑا فن ہے اور اسی کے ذریعہ حدیث کے مراسیل و مرفوعات کی صحیح شناخت ہوتی ہے۔ اور بھی بہت سے ایک و پوشیدہ رموز اسکے ذریعہ حل ہو جاتے ہیں۔ اس طریقہ تصنیف کی بھی مختلف نوعیت ہے۔ بعضوں نے ابواب کے ماتحت حدیثیں جمع کیں۔ جیسے ابن ابی حاتم نے کیا۔ اور بعضوں نے بطریق مسند جیسے حافظ یعقوب ابن شیبہ البصری نے کیا۔ انہوں نے اپنی مسند مغلل اسی قاعدہ پر لکھی۔ لیکن افسوس تکمیل نہ کر سکے۔ اگر یہ تمام ہوتی۔ تو شاید سو جلدوں سے کم نہ ہوتی۔ لیکن پھر بھی عشر مبشرہ، مسند عباس، ابن مسعود، عتبہ، ابن غردان، بعض موالی عمار، ان حضرات کی مسندیں مکمل کر لی تھیں اور لوگوں کا بیان ہے۔ کہ صرف حضرت علی علیہ السلام کی مسند پانچ جلدوں میں تمام ہوئی تھی۔ الفرض یعقوب ابن ابی شیبہ کی اتنی انتھاک کوششوں کے بعد بھی یہ مسند پانچ تکمیل کو نہ پہنچ سکی۔ اسی لئے بعض مشائخ کا خیال ہے۔ کہ آجتاک کوئی مغلل مسند پانچ تکمیل کو نہ پہنچ سکی۔

اس کے علاوہ بعض محدثین کا یہ طریقہ بھی رہا ہے۔ کہ وہ بعض خاص طرق، ابواب و تراجم کی تدوین کرتے ہیں جیسے رفع الیدین کے باب میں امام بخاری کی ایک خاص تصنیف اور باب القضاء بائیمین مع الشاہدین دار قطنی کی ایک تصنیف یا بعض خاص خاص شیوخ کی حدیثیں بعضوں نے جمع کیں۔ جیسے اسماعیلی رحمہ اللہ نے اعمش کی حدیثیں، سانی نے فضیل ابن عیاض کی حدیثیں، تراجم کے جمع کے یہ معنی ہیں۔ کہ کسی ایک محدث کے کے ایک سلسلہ سے جتنی حدیثیں آئیں انکو جمع کر دیا جائے۔ جیسے مالک عن نافع عن ابن عمر یا اسل عن ابی صالح عن ابی ہریرہ انکو بعض محدثین نے جمع کیا۔ جمع طرق کے مطلب یہ ہیں۔ کہ بعض خاص حدیثوں کی جتنی سندیں ہوں۔ ان سبھوں کو جمع کر دیا جائے جیسے قبض علم والی حدیث کے سارے طرق (مسند) طوسی نے اور حدیث سن کذب علی مستعلا کے سارے طرق، طبرانی نے جمع کئے۔ اور اسی طرح اور حدیثوں کے طرق بھی بہتوں سے جمع کئے ہیں۔



## روایت حدیث میں صحابہ کا مسلک

صحابہ کرام جن کا سینہ سنت کا گنجینہ تھا۔ اور جن کے پاس قرآن کے بعد حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا اور کوئی چیز نہ تھی۔ جسے وہ اپنا راہ نما بناتے۔ اور جو ربکا زیادہ آپ کے حکم پر چلنے والے اور آپ کی منع کردہ باتوں سے رکنے والے تھے۔ جہاں وہ اپنے تئیں یہ سمجھتے تھے۔ کہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیان کرنا ہمارے واجبات سے ہے۔ وہاں خود احتیاط اور دوسروں سے بھی احتیاط کرانی ضروری سمجھتے تھے، بیان حدیث تو اس لئے تھا۔ کہ اللہ اور اس کے رسول کا حکم تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔ کہ مجھ سے جو کچھ سنو۔ وہ لوگوں تک پہنچا دو۔ کہ بہتر ہے وہ جو براہ راست مجھ سے سنتے ہیں۔ ان سے زیادہ احفظ وہ ہوتے ہیں۔ جن تک میری باتیں پہنچانی جاتی ہیں۔ اور احتیاط اس لئے تھی۔ کہ من کذب علی متعمداً فلیتوا مقعداً من النار کی صریح وعید تھی، یہی ایک وجہ تھی کہ صحابہ کی ایک جماعت کثرت روایت سے خائف تھی۔ ان کا خیال تھا۔ کہ وہی حدیثیں بیان کی جائیں۔ جن کے حفظ پر پورا یقین ہو۔ اسی لئے حضرت عبد اللہ بن مسعود جب حدیث بیان فرماتے۔ تو ان کا چہرہ خوف الہی سے سرخ ہو جاتا۔ اور فرماتے۔ بنی کریم نے یہ فرمایا یا ایسا فرمایا یا ویسا فرمایا۔ یعنی آپ کے الفاظ یہ تھے۔ یا دوسرے تھے۔ اسی تردد کیساتھ وہ پوری حدیث بیان فرماتے۔ ان کے علاوہ حضرت زبیر ابو عبیدہ ابن الجراح، عباس ابن عبدالمطلب رضی اللہ عنہم بھی

عہد حجۃ الیالہ لہ بخاری سے رایت مبلغ ادعی من سامع



بھی قلت روایت میں مشہور تھے۔ اور صحابہ میں جو حضرات زیادہ روایت کرتے۔  
ان پر بمقتضاء احتیاط نکیرو کی جاتی۔ کہ کثرت میں غلطی کا احتمال ہے۔ اور دین میں  
اس قسم کی غلطیاں بے شمار مفاسد کا دروازہ کھولتی ہیں۔ اسی لئے حضرت  
ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ پر بعض صحابہ نے نیکری کی۔ جس کے لئے انہیں اپنی بڑات کرنا پڑی کہ لوگ  
کہتے ہیں۔۔۔۔۔ ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) حدیثیں بہت بیان کرتے  
لیکن اس کے وجوہات پر وہ غور نہیں کرتے، میرے بھائیوں میں ہماجرین تو  
بازار میں کاروبار میں مشغول رہتے۔ اور انصار کھیتی باڑی میں، لیکن میں ہمہ دم نبی  
کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر رہتا۔ اور وہ چیزیں حاصل کرتا۔ جسے  
وہ نہ حاصل کر سکے۔ علاوہ ازیں اگر کتاب اللہ کی یہ دو آیتیں نہ ہوتیں۔ تو میں ایک  
حدیث نہ بیان کرتا۔ ان الذین یکتون ما انزلنا من النبات والھامی من  
بعدا ما بیننا للناس فی الكتاب اولئک یلعنھم اللہ ویلعنھم اللعنون  
اور الا الذین تابوا واصلحوا و بینوا اولئک القب علیہم وانا  
التواب الرحیمہ یعنی تائبان اور ہدایت کے چھپانے کی سخت وعید آئی  
تھی۔ اس لئے آپ سے چھپا نہیں سکتے تھے۔ حضرت ابو ہریرہ کا اشتیاق حصول  
حدیث، اور اس کی حفاظت اس قدر مد نظر تھی۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم  
اس سے خوب واقف تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ جب حضرت ابو ہریرہ نے نبی کریم  
صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سوال کیا۔ کہ یا رسول اللہ من اسعد الناس  
بشفاعتک یوم القیامۃ تو آپ نے فرمایا لقد ظننت یا اباہریرۃ  
الا یسالنی عن ہذا الحدیث احد اول منک لما دئیت من حریک  
علی الحدیث یعنی چونکہ میں تمہارا حدیث کے لئے اشتیاق خوب جانتا ہوں۔  
اس لئے مجھے خیال تھا۔ کہ تم ہی سب سے پہلے مجھ سے یہ سوال کرو گے  
اسی طرح حضرت ابو بکر، عمر، علی رضوان اللہ علیہم اجمعین روایت حدیث میں



احتیاط کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت ابو بکر صدیق نے سر پر آرائے خلافت ہوتے ہی جو خطبہ ارشاد فرمایا تھا۔ اس کا ایک حصہ یہ بھی تھا کہ لوگو! ایسی حدیثیں روایت نہ کرو۔ جو متضاد ہوں۔ اس میں فتنے کا اندیشہ ہے۔ علامہ ذہبی نے آپ کے اس خطبہ کو نقل کیا ہے۔ میں اس کا ملخص آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔

انکم متحدون ۲ احادیث مختلفون  
تم لوگ روایت حدیث میں مختلف  
فیہا والی الناس بعد کم ۲ شد  
انذار بیان رکھتے ہو۔ جس کی وجہ سے  
اختلافاً۔ فلا متحد لوق ۲ نہی  
تمہارے بعد والوں میں شدید اختلاف  
ملخصاً  
ہو جائیگا۔ اس لئے تم حدیث نہ بیان کرو

چنانچہ ایک دفعہ حضرت ابو بکر صدیق کے پاس ایک عورت نے کسی کی دادی ہونے کی حیثیت سے اس کا ترکہ مانگا۔ تو آپ نے فرمایا۔ کتاب اللہ میں دادی کا کوئی حصہ نہیں حضرت معمرہ اس محفل میں موجود تھے۔ فرماتے لگے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دادی کو سدس دیا ہے۔ آپ نے فرمایا گواہ لاؤ۔ محمد ابن مسلمہ نے گواہی دی۔ تو آپ نے اسے سدس دلا دیا۔ اسی احتیاط کا نتیجہ تھا کہ حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کے زمانے میں اتنے فتنے نہیں رونما ہو سکے تھے۔ جو ان کے بعد رونما ہوئے۔ کہ وہ حدیث کے غیر محتاط اشاعت کے لئے بڑی بھاری روک تھام یہی حال جناب عمر و علی رضی اللہ عنہما کا تھا۔ حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں۔ کہ حضرت عمر جب سر پر آرائے خلافت ہوئے۔ تو فرمایا کہ حدیثیں بہت کم بیان کیا کرو۔ ہاں ان حدیثوں کے لئے مضایقہ نہیں۔ جو احکامی ہیں، قال ابو ہریرہ لیسما ولی عمر قال اقلوا لروایۃ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
الا فیما یجمل بہا (مصنف عبد الرزاق)

روایت حدیث میں چونکہ نہایت حزم و احتیاط کی ضرورت ہے۔ کیونکہ اس میں کسی قسم کی لغزش ہو۔ تو بیان کرنے والوں پر عذاب الیم اور سزائے والوں پر گمراہی کا پورا گمان ہے۔ اس لئے حضرت عمر نے یہ تحویف و تہدید کی۔ اور شدت کے ساتھ لوگوں کو اس کثرت سے روکا۔ چنانچہ اسی سلسلہ کا ایک اور



ایقان رکھتے ہیں۔ حضرت ابو بکر صدیق کے متعلق یہ روایت کے اپنے حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمع کیا۔ اور پھر جلا دیا۔ یا حضرت عمر کا بعض بدی صحابہوں کو حدیث بیان کرنے کے جرم میں قید کر دینا یہ سب واقعات نقد کی کسوٹی پر کھڑے نہیں۔ کھوٹے ہیں۔ یہ اور اسی قسم کے دیگر واقعات سے اگر وہ صحیح بھی مان لئے جائیں۔ تو زیادہ سے زیادہ قلت روایت اور احتیاط کا پتہ لگتا ہے۔ انکار کا نہیں لیکن کج فہم انسان اپنی سمجھ کو کیا کرے۔ کہ اسے دن رات اور رات دن دکھائی دیتی، انتہائی تمتع و تلاش کے بعد مجھے ماجربین و انصار تو کیا کم درجہ کے صحابہ کا بھی کوئی ایسا قول نہ ملا جس سے نفس روایت حدیث کا انکار ثابت ہوتا ہو۔ ہاں ایسے اقوال ضرور ہیں۔ جسے قلت روایت اور احتیاط کا پتہ ملتا ہے۔ میں نے آپ کے سامنے جتنے صحابہ کے نام گنائے ہیں۔ ان میں سے کسی نے بھی اگر کسی حدیث کا انکار ہی۔ تو اس لئے نہیں۔ کہ فی نفسہ حدیث کوئی لائق اخذ چیز نہیں تھی۔ بلکہ اس لئے کہ یا تو وہ حدیث ان کے نزدیک قرآنِ توہید سے صحیح نہیں ثابت ہوئی۔ یا کم از کم یقینی طور پر وہ اس کے حدیث ہونے کا فیصلہ نہ کر سکے۔ چونکہ حدیث کا معاملہ نہایت نازک تھا۔ اور صحابہ یہ چاہتے تھے۔ کہ جو حدیث بھی بیان کی جائے۔ وہ پوری تحقیق و تدقیق سے بیان کی جائے۔ اس لئے انہیں ایسا کرنا ضروری تھا۔ اگر یہ صورت نہ قائم کی جاتی۔ تو ہر پوالہوس اور بددین اپنی بدعات و سیئات کی تصدیق فوراً ایک جھوٹی حدیث بنا کر دیتا۔ ایسی صورت میں آپ سمجھ سکتے ہیں۔ دین کے اندر کیسا عظیم احتمال رونما ہوتا اور مذہب کس طرح بازو پچہ طفلان بن کر رہ جاتا۔ چنانچہ بعد میں ایسا بہت ہوا۔ کہ لوگوں نے دینی دنیاوی مصالح کی خاطر بہت سی حدیثیں گڑھ لیں۔ مگر اللہ رب العزت کا اکھٹکر ہے۔ کہ اس نے ان کے مقابل میں ایسے لوگ بھی پیدا کئے جنہوں نے دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی علیحدہ کر دکھایا۔ اور آج امت کے ہاتھوں میں ایک حدیث بھی ایسی نہیں ہے۔ جس کے موضوع ہونے کے باوجود اس کی موضوعیت کا انہیں علم نہ ہو۔



## روایت حدیث کے لحاظ سے صحابہ کے طبقات

پہلے بتایا جا چکا ہے۔ کہ حدیثیں دو قسم کی ہیں۔ ایک احکامی، اور دوسری غیر احکامی اور احکامی حدیثوں کی روایت کے بھی دو طریقے ہیں۔ فقہاء صحابہ کا گروہ غیر احکامی حدیثیں شاذ و نادر بیان کرتا تھا۔ اور احکامی کی روایت بھی فتاویٰ و احکام کی صورت میں کرتا تھا۔ الا ماشاء اللہ لیکن خلفاء راشدین کے دور میں اور ان کے بعد بھی بعض صحابہ ایسے تھے۔ جو احکامی اور غیر احکامی حدیثیں مرفوعاً روایت کرتے تھے۔ ان کا خیال تھا۔ کہ کسی مسئلہ کے اندر اپنی رائے یا اپنے اجتہاد کو دخل نہ دینا چاہئے بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جس طرح سنا ہے۔ یا کرتے دیکھا ہے۔ بعینہ اسی شرح اس واقعہ کی روایت کر دی جائے۔ اور رائے اور استنباط مسائل سے وہ بہت ڈرا کرتے تھے۔

الغرض اللہ تعالیٰ نے ان تمام صحابہ کے ذریعہ جنہوں نے فتاویٰ اور احکام کی صورت میں یا حدیثاً و اخباراً کی صورت میں مسائل بتائے۔ دونوں اپنے اپنے خیال میں سچے اور مخلص تھے، دین کے احکام ہم تک پہنچائے، لیکن یہ ظاہر ہے۔ کہ وہ صحابہ جنہوں نے فتویٰ اور احکام کی صورت میں حدیثیں بیان کیں۔ وہ محتاط تھے۔ کیونکہ رائے اور قیاس بھی نہ تھا۔ اور حدیث کے مرفوعاً بیان کرنے میں عید کا جو ڈر تھا وہ بھی نہ تھا، تم جہاں کہیں سلف کے مذاہب میں رائے اور خوض کو منع پاؤ گے۔ اس کے معنی یہی ہیں۔ کہ ایک حدیث ہے۔ اس سے طرح طرح کے بعید القرآن مسائل نکالے جائیں۔ اور اس کو پوری شریعت سمجھ لیا جائے۔ ان کا مطلب یہ ہے کہ پہلے ہر مسئلہ کے متعلق کتاب اللہ کی طرف رجوع کرو۔ اگر اس میں نہ پاؤ۔ حدیث میں



تلاش کرو۔ اگر تلاش بلیغ کے بعد تمہیں وہ مسئلہ حدیث میں بھی نہ ملے۔ جب کوئی تیسری راہ نکالو۔ اگر وہ مسئلہ حدیث میں مل گیا۔ تو تمہارے لئے اولیٰ یہ ہے۔ کہ اسے مرفوعاً روایت کرنے کی بجائے صرف فتویٰ کی صورت میں بیان کر دو۔ ہاں تم یہ نہ کرو۔ کہ اس ایک ہی حدیث پر بہت سے مسائل قیاس کرنے لگو۔ اور حمل النظیر علی النظیر کی صورتیں پیدا کر دو۔ اور یہ صورت بھی اس وقت جائز ہوگی۔ جب کسی مسئلہ کے متعلق تلاش تام تمہیں کوئی حدیث نہ ملے۔ انرض صحابہ کرام کے مختلف گروہ نے مختلف حیثوں سے روایتیں کیں۔ کسی نے مرفوعاً کسی کے مرسل اور کسی نے احکام اور فتادی کی صورت میں اس لحاظ سے محدثین نے صحابہ کے مختلف طبقات قائم کئے ہیں۔ ایک فہرست تو کثرین صحابہ کی ہے۔ دوسری متوسطین کی تیسری مقبلین کی۔

جناب شاہ دلی الحد صاحب ازالۃ الخفایں لکھتے ہیں۔

صحابہ رضی اللہ عنہم باعتبار کثرت و قلہ روایت حدیث پر چہار طبقہ اند۔  
 مکثرین کہ از مرویات ایشان ہزار حدیث باشد۔ فصحاء و متوسطین کہ  
 مرویات ایشان قریب پانصد حدیث فصحاء باشد۔ مثل ابو موسیٰ و پراء ابن عازب  
 او جمع کہ مرویات ایشان چہل حدیث باشد۔ فصحاء تا سہ صد و چہار صد مقبلین  
 کہ مرویات ایشان تا چہل نمے رسد۔ جمہور الحدیث گفتہ اند۔ کہ مکثرین از اصحاب  
 شدت کن اند۔ ابو ہریرہ و عایشہ صدیقہ و عبد اللہ ابن عمر و  
 عبد اللہ ابن عباس و عبد اللہ ابن عمرو ابن العاص و اس او جابر ابو عبد  
 خدی، و از متوسطین عمر ابن الخطاب، و علی ابن ابی طالب، و عبد اللہ ابن مسعود و ابو موسیٰ  
 اشعری و پراء ابن عازب، و امثال ایشان را شمرہ اند کہ از ہر یکے زیادہ از پانصد و کثر از  
 ہزار در دست مردم موجود ہست۔ و این فقیر دریں مقدمہ سحشہ دار و دال آنست کہ در  
 حدیث فاروق اعظم و علی مرتضیٰ و عبد اللہ ابن مسعود بسیار یافتہ میشود۔ آنچه موقوف  
 است ظاہر و مرفوع است۔ حقیقتاً ازین عزیزان نقل بسیارے در باب فقہ و در باب  
 احسان و در باب حکمت یافتہ کہ بوجہ بسیارے مرفوع است۔ پس این عزیزان از



کثیرین باشند۔ و شواہد اس مقدمہ بسیار است۔ و متقن بسبب را گنجائش است۔ کہ آنچه  
 در فقہ و احسان ذکر کرده اند بر امامیت مرفوعہ مثبتہ در اصول عرض کنند و بشناسد کہ کدام  
 کدام حدیث مرفوعہ است انتہی ملخصاً (از الہ التخاصی ص ۲۱۲ مقصد ۷) شاہ صاحب کے  
 اس بیان سے اپنے صحابہ کے طبقات کا پتہ لگا لیا ہوگا۔ لیکن اس کے ساتھ آپ کو  
 یہ بھی معلوم ہو گیا۔ کہ حضرت عمرو علی و ابن مسعود رضی اللہ عنہم کے متوسطین میں شمار کئے  
 جانے سے شاہ صاحب کو کیوں انکار ہے۔ اسکی وجہ یہی ہے۔ کہ کثیرین صحابہ سے جنہی  
 حدیثیں مروی ہیں۔ اسی کثرت سے ان متوسطین سے بھی مروی ہیں۔ فرق صرف اتنا  
 ہے۔ کہ انہوں نے پہلے طریقہ روایت سے بیان کیا۔ یعنی مرفوعاً اور ان سے مثنوی  
 مرفوعاً اور زیادہ فتاویٰ اور احکام کی صورت میں یعنی دوسرے طریقہ روایت سے اور  
 اس کی پہچان کا طریقہ یہی ہے۔ کہ ان مسائل و احکام کو احادیث صحیحہ سے موازہ  
 کیا جائے۔ جو کتب صحیحہ میں ہیں۔ اس کے ذریعہ یہ بھی معلوم ہو جائیگا  
 کہ وہ کتنی احادیث صحیحہ کے موافق ہیں۔ اور کتنی نہیں۔ اور پھر اسی  
 اسی کے ذریعہ یہ بھی معلوم ہو جائیگا۔ کہ یہ صحابہ سطحین میں ہیں۔ یا ملترین میں۔ لیکن یہ چیز  
 بذات خود اپنی جگہ پر اتنی واضح نہ تھی۔ کہ تمام لوگ اسے سمجھ لیتے۔ اس لئے شاہ صاحب  
 نے آگے چل کر اسے اور صاف کر دیا، اس ازالہ الخفا میں ایک دوسری جگہ پر فرماتے  
 ہیں۔

قصہ کوتاہ حدیث بسیار از مرویات امیر المؤمنین عمر ابن الخطاب و علی ابن ابیطالب  
 و عبداللہ ابن مسعود و در میان دفاتر دست۔ کہ پئے ما شباب انہا بایں عزیزاں غیر متقن  
 بسبب انی آوازہ بردہ

الغرض فاروق اعظم اور علی مرتضیٰ عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہم کی روایت کردہ  
 حدیثیں و فتروں میں ہیں۔ لیکن انہیں بصیرت والا انسان ہی سمجھ سکتا ہے۔ اور یہ  
 کہا جاسکتا ہے۔ کہ وہ دفاتر احناف کے پاس ہیں۔ یعنی فقہ حنفی۔  
 اور یہ تو پہلے معلوم ہو ہی چکا ہے۔ کہ صحابہ کا فقہ گروہ حدیثیں زیادہ تر



فتاویٰ کی صورت میں بیان کرتا تھا۔ چنانچہ ابن حجر مقدمہ اصحابہ میں لکھتے ہیں -  
اکثر الصحابة فتوى مطلقاً سبعة عشر، وعلي، ابن مسعود، ابن عمر وابن عباس  
وعباس وزيد ابن ثابت وعائشة، قال ابن حزم يمكن ان يجمع من فتيا كل  
واحد من هؤلاء عجل ضخيم، قال ويليم عشرون وهم ابو بكر، و  
عثمان، وابو موسى، ومعاذ وسعد ابن ابى وقاص، وابو هريرة والنس  
وعبد الله بن عمر وابن العاص، وسلمان وجابر وابو سعيد وطلحة  
والزبير وعبد الرحمن بن عوف وعمران بن حصين وابو بكره وعبادة  
بن الصياحمة و معاوية وابن الزبير وام سلمة قال يمكن ان يجمع من  
فتيا كل واحد منهم جزء صغير وقال وفي الصحابة نحو من مائة وعشرين  
فهناء مقلون في الفتيا جداً لا يورى عن الواحد منهم الا المسئلة او  
لمسالتان او لثلاث يمكن ان يجمع من فتيا جميعهم جزء بعد البحث  
كابي ابن كعب و ابي الدرداء و ابي طلحة و المقداد وغيرهم  
وسد الباقين،

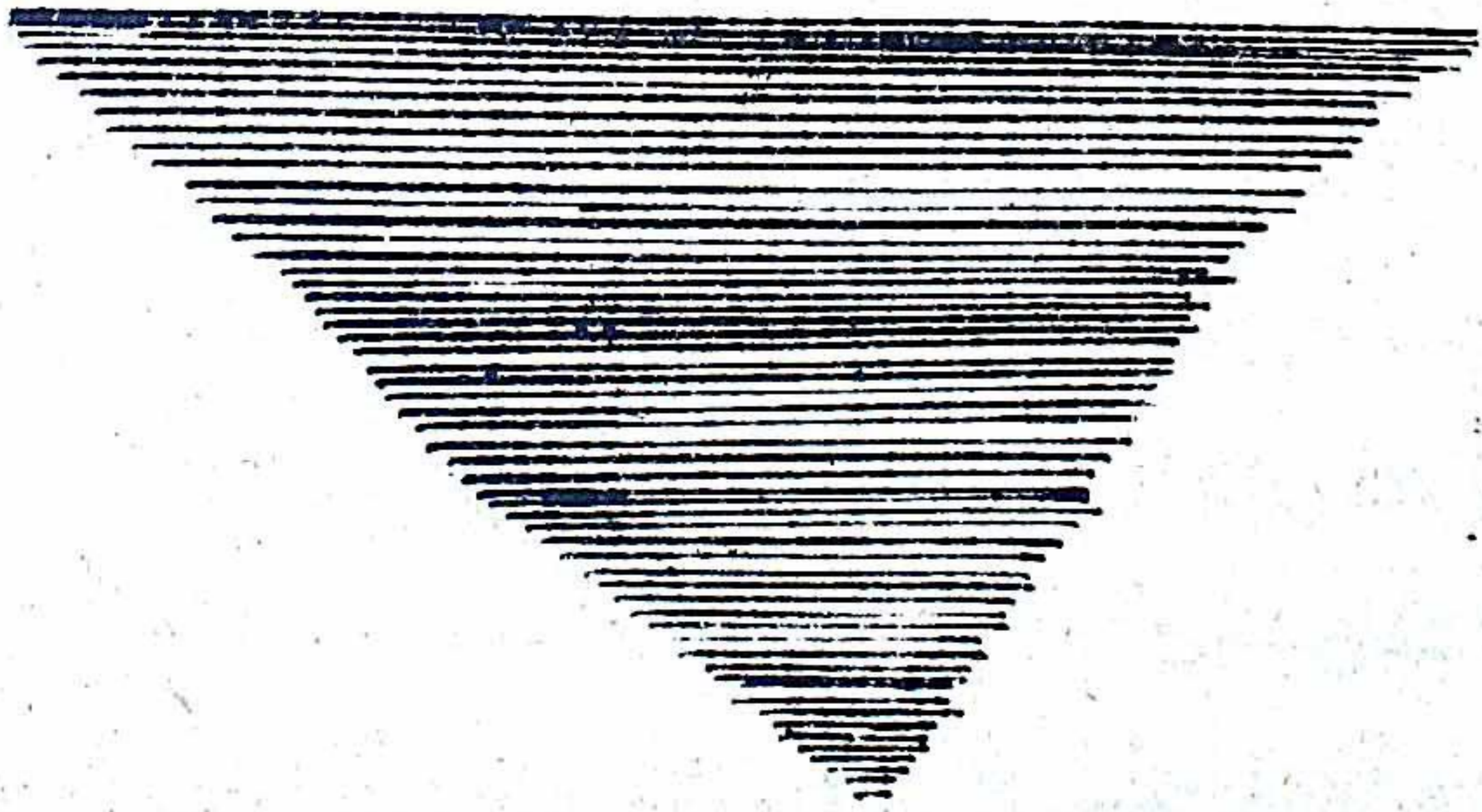
اور انہیں کے لگ بھگ بیس آدمی ابو بکر، عثمان، ابو موسیٰ، معاذ، سعد بن  
ابی وقاص، ابو ہریرہ، انس، عبداللہ بن عمرو بن العاص، سلیمان، جابر، ابو سعید،  
طلحہ، زبیر، عبدالرحمن بن عوف، عمران بن حصین، ابو بکرہ، عبادة بن الصامت،  
معاویہ، ابن الزبیر، ام سلمہ، رضی اللہ عنہم جمعین ہیں۔ جن میں سے ہر ایک کے فتاویٰ  
ایک چھوٹے رسالے کی شکل اختیار کر سکتے ہیں۔ اور صحابہ میں ایک سو بیس حضرات  
ایسے ہیں۔ جن کے فتاویٰ بہت اقل قلیل ہیں، کہ ان سب کے فتاویٰ کا مجموعہ ایک  
بہت مختصر جزو میں آ سکتا ہے۔ جیسے ابوالدرداء، ابی بن کعب، ابو طلحہ، مقداد  
وغیرہم جن کے نام انہوں نے بتائے۔ ان کے فتاویٰ بہت ہی کم ہیں، یعنی  
صحابہ میں سات آدمی کے فتاویٰ بہت ہیں۔ عمر، علی، ابن مسعود، ابن عمر، ابن عباس  
زید ابن ثابت، عائشہ رضی اللہ عنہم ابن حزم کا خیال ہے۔ اگر ان میں سے



ہر ایک کے فتاویٰ جمع کئے جائیں۔ تو ہر ایک کی ضخیمہ جلدیں تیار ہو جائیں اور واضح ہے کہ ان صحابہ میں ابن عباس ابن عمر و عائشہ رضی اللہ عنہم وغیرہ کا شمار یوں بھی مکثرین میں ہے۔ لیکن فتویٰ کی حیثیت میں بھی ان کی بہت سی بیان کردہ حدیثیں ہیں۔ جو روایت حدیث کا ایک دوسرا طریقہ ہے۔ اور روایت حدیث کی یہی نوعیتیں صحابہ سے منجر ہو کر تابعین تک پہنچیں۔ اور تابعین کے بھی روایت حدیث میں مختلف انداز رہے۔ چنانچہ کوفہ جو حضرت عمر کے وقت سے لیکر امام ابو حنیفہ اور سفیان ثوری رحمہما اللہ کے دور تک کے شمار صحابہ و تابعین کی سکاوت گاہ رہا۔ وہاں کے فقہ و محدث تابعین نے صحابہ کرام ہی کی طرح فتاویٰ و احکام کی صورتوں میں حدیثیں زیادہ روایت کیں۔ شعبی، ابراہیم، قاسمی، شرح، علم، وغیرہ کی مرفوع حدیثیں اگرچہ ہمیں بخاری مسلم یلگہ پوری صحاح میں بہت ملیں گی۔ لیکن پھر بھی ان کے فتاویٰ و احکام کے لحاظ سے بہت تھوڑی ہیں۔ اور اس کا پتہ لگانا ہو۔ تو بخاری و مسلم سے قبل تصنیف شدہ کتابوں میں اس کی تلاش کرو مصنف عبدالرزاق ابن ابی شیبہ موطا امام محمد کتاب الآثار وغیرہ میں نہیں زیادہ تر ان کے آثار ہی ملیں گے۔ مرفوع حدیثیں بہت کم ہوں گی۔ اور زیادہ دو رکھوں جاؤ خود بخاری ہی کے اندر فقہاء کوفہ کے بہت سے فتاویٰ و مسائل مستخرجہ ملیں گے۔ جن میں ابراہیم بہت نمایاں ہوں گے۔ تو معلوم ہوا۔ کہ صحابہ کی طرح تابعین کی جماعت بھی زیادہ تر فتاویٰ ہی دیا کرتی۔ مرفوع حدیث کم بیان کرتی تھی۔ سراج الامم حضرت امام ابو حنیفہ کا کیوں کہ وہ براہ راست اس نور سے مستفید ہو رہے تھے۔ جو صحابہ اور تابعین کے منہوں سے نکل کر ان میں منتقل ہوا تھا۔ اور انہوں نے بھی حدیث و اخبار ناکیسا تھو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیثیں بیان کرنے سے بہت حد تک پرہیز کیا۔ ورنہ اگر فتاویٰ و احکام کی حیثیت سے دیکھا جائے۔ تو امام صاحب کی حدیثیں اس کثرت سے ملینگی۔ کہ دوسرے مکثرین حدیث کی حدیثوں سے کسی طرح کم نہ ہوں گی۔ اور اس چیز میں امام اعظم نے ان فقہ و فقہیم صحابہ کا اتباع کیا۔ جن کی وجہ سے اسلام اپنی صحیح اور اصلی حالت پر باقی رہا۔ جن کا وجود دین و ملت کے لئے سراپا رحمت اور مجسم کمال



تھا۔ امام صاحب نے اس چیز میں خلفاء راشدین اور اپنے شہر کے صحابہ کا اتباع کیا تھا کیونکہ انہوں نے حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان کا یہی طریقہ اختیار کیا تھا۔ اب کسی کا یہ کہنا کہ امام نے حدیثیں بہت کم حاصل کی تھیں۔ اور وہ قلیل الحدیث تھے۔ کس قدر غلط ہے۔ امام صاحب نے روایت حدیث کے دوسرے طریقے کو دو وجہوں سے اختیار کیا۔ ایک تو یہ کہ پہلے طریقہ روایت میں جو نقصانات و خرابیاں تھیں۔ وہ ان کے پیش نظر تھیں۔ اور جن کی وجہ سے جناب صدیق اکبر و عمر فاروق رضی اللہ عنہما نے اس طریقہ روایت کو روکا تھا، دوسرے یہ کہ امام صاحب کے اساتذہ اور ان کے شہر کے شیوخ کا طریقہ روایت بھی یہی دوسرا طریقہ تھا۔ الا ماشاء اللہ اس چیز کو اگر واضح طریقہ پر سمجھنا چاہو۔ تو شاہ صاحب کے الفاظ میں یوں کہوں۔ قصہ کوتاہ حدیث بسیار از مرویات امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ در میان دفاتر ہست۔ کہ پیئے بانتساب آنہا یابیں امام المحدثین غیر منقطع بسبب نئے تو اندر برو،





## فروع میں صحابہ و تابعین کے اختلاف کے اسباب

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ شریف میں فقہ کی تدوین نہیں ہوئی تھی۔ اور نہ اس قسم کی ہفتی بحثیں جن میں کسی چیز کے ارکان و شروط و اداب بیان کئے جائیں۔ اور پھر انہیں دوسری قسموں سے ممتاز کیا جائے۔ موجود تھیں۔ اور ایک صورت مسئلہ قائم کر کے اس پر پوری بحث کی جائے۔ اور اس کے حدود متیقن کئے جائیں۔ یہ کچھ نہ تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وضو فرماتے۔ اور صحابہ اس کو دیکھتے رہتے۔ پھر وہ بھی ٹھیک اسی طرح وضو کرتے بغیر یہ جانے ہوئے کہ اس میں یہ رکن ہے اور یہ ادب ہے۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نمازیں پڑھتے۔ اور صحابہ آپ کے نماز کی تقلید کرتے، آپ حج فرماتے۔ اور صحابہ بغور آپ کے افعال حج کا معائنہ کرتے پھر اسی طرح حج کرتے۔ رمضان شریف میں روزے رکھتے۔ صحابہ بھی حج کرتے۔ روزے رکھتے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ مبارک تو اسی طرح گذرا۔ شاید ہی کوئی ایسا کام معاملہ ہوا ہو۔ جس میں آپ کو یا صحابہ کو اس قسم کے تفصیلی سوالوں کا موقع ملا ہو۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں ”میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ سے بہتر قوم نہیں دیکھی۔ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تیرہ مسئلے ہی پوچھے تھے۔ کہ آپ اس عالم سے تشریف لے گئے۔ اور وہ سب مسئلے قرآن میں موجود ہیں۔ جن میں سے لیسونک عن الشاکھی اکتی ام قتال فیہ۔ قل قتال فیہ کبیر۔ ویسئلونک عن المحیص“ بھی ہیں۔ صحابہ ایسی ہی باتیں پوچھا کرتے۔ جو انہیں نفع دینے والی ہوتیں۔ حضرت ابن عمر فرماتے ہیں۔ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ ہونے والی باتیں نہیں پوچھا کرتے۔ میں نے عمر بن الخطاب سے سنا ہے۔ کہ وہ نہ ہونے والی باتوں کے



پوچھنے والوں پر لعنت کرتے تھے۔ قاسم کہتے ہیں۔ تم ایسی باتیں پوچھنے لگے۔ کہ ہم انہیں آنحضرت سے نہیں پوچھا کرتے تھے۔ اور تم ایسی باتوں میں تفتیش کرنے لگے۔ جن میں ہم نہیں کیا کرتے تھے۔ تم ایسی باتیں پوچھتے ہو۔ جنہیں ہم نہیں جانتے۔ اگر جانتے۔ تو ہمارے لئے ان کا چھپانا حلال کب تھا۔ عمر بن اسحاق فرماتے ہیں۔ میں نے جن اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے۔ ان سے زیادہ پاک سیرت اور کم شدت والا کسی کو نہیں پایا، عبادہ ابن سیرۃ الکندی فرماتے ہیں۔ جب ان سے ایک ایسی عورت کی بابت سوال کیا گیا۔ جو اپنی قوم میں مری۔ اور اس کا کوئی ولی نہیں ہے آپ نے فرمایا، میں نے ایسی قوم دیکھی۔ جو تمہارے مثل مثائل میں اس قدر تشدد نہ کرتی تھی۔ اور نہ ایسے سوال کیا کرتی تھی۔ (اخرج ہذہ الاثار کلہا الدارمی) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا۔ کہ جب کوئی سوال کرنا۔ تو آپ اس کا جواب دیتے، کوئی مسئلہ پوچھتا بتا دیتے۔ کوئی فیصلے کرانا۔ فیصلے کر دیتے۔ کسی شخص کو اچھا کام کرتے دیکھتے۔ تعریف فرماتے۔ کسی کو برا کرتے دیکھتے منع فرماتے۔ اور اس قسم کی اکثر باتیں مجمع عام میں ہو کر تیں۔ تاکہ سب لوگ اس سے واقف ہو جائیں۔ اسی طرح حضرت ابو بکر و عمر جب انہیں کسی مسئلہ کا علم نہ ہوتا۔ تو وہ کتاب اللہ کے بعد حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع کرتے۔ اور لوگوں سے پوچھتے؛ جیسا کہ حضرت ابو بکر نے وادی کے ترکہ کے بارہ میں اپنے عدم علم کی وجہ سے صحابہ سے سوال کیا، مغیرہ ابن شعبہ نے حدیث بیان کی۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وادی کو سدس دیا ہے، اور محمد بن مسلمہ نے اس کی گواہی دی۔ تو آپ نے قبول فرمایا اور سدس یا حضرت عمر کا غرہ کے معاملہ میں لوگوں سے سوال کرتا۔ پھر مغیرہ ابن شعبہ کی بات تسلیم کرنا اسی طرح و باء (طاعون) اور قصہ مجوس کے بارے میں عبدالرحمن بن عوف کی طرف رجوع کرنا اور حضرت ابو موسیٰ کا عمر رضی اللہ عنہ کے دروازے سے واپس آنا۔ اور حضرت عمر کو ابو سعید کی شہادت سے اس حدیث خاص کا علم ہونا، حضرت عبد



ابن مسعود کی رائے کا معتقل بن بیار کی بیان کی ہوئی حدیث سے مطابق ہونا اور اسی طرح بیشمار باتیں جن سے صحیحین و سنن بھری ہیں۔ سب اس دعویٰ کی دلیل ہیں۔

الغرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اصول یہی تھا۔ کہ آپ مسائل و فتاویٰ منکر و معروف صحیحوں کی تعلیم مجمع عام میں فرماتے تھے۔ تاکہ لوگوں کو غلط فہمی نہ ہو۔ پس ہر صحابی نے اپنی اپنی توفیق اور فراست کے ماتحت آپ کے عبادات و فتاویٰ قننا یا سب جمع کئے۔ اور ان کو حفظ کر لیا۔ پھر قرآن کے لحاظ سے ان کے اندر مباح و سنن و منسوخ و غیرہ کی تقسیم کر لی۔ یہ صورت کسی استدلالی شکل میں نہ ہوتی بلکہ اپنے قلب کے فتویٰ اور اطمینان کے معیار پر یہاں تک کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دور مبارک گذر گیا۔ اور وہ اسی اصول پر قائم رہے۔ پھر زمانے اور خلافت اسلامیہ کی ضرورتوں نے انہیں مختلف شہروں اور ملکوں میں منتشر کر دیا۔ اور ان میں کا ہر ایک اپنی جگہ کا مقتدا ہوا۔ اب فتوحات اسلامیہ نے نئی قومیں داخل کیں۔ جن کی وجہ سے نئے مسائل پیدا ہوئے۔ اور ان کا پیدا ہونا ضروری بھی تھا۔ نئے وقائع و حوادث نے صحابہ کو غور و اجہاد کی طرف بائیل کیا۔ سب سے پہلے انہوں نے اپنے اس مرجع دینی کی طرف رجوع کیا۔ اور جو مسائل و احادیث ان کو آنحضرت سے پہنچی تھیں۔ ان کے مطابق فیصلہ کیا۔ اگر ان میں نہ پایا۔ تو اجہاد کیا۔ لیکن اس اجہاد میں بھی انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی علت فیصلہ کو مفقود نہ کیا۔ بلکہ جس علت کی بنا پر آپ نے کوئی حکم دیا تھا۔ وہی علت اگر اس میں بھی پائی جاتی تھی۔ تو وہ حکم اس میں بھی دیدیا۔ تاکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی غرض مفقود نہ ہو سکے۔ اور یہی بنیاد ہے صحابہ کے آپس کے اختلاف کی۔ مثلاً ایک صحابی نے ایک فتویٰ یا فیصلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا اور دوسرے نے اُسے نہیں سنا۔ پہلے نے حدیث سے فیصلہ کیا۔ اور دوسرے نے رائے سے، اب اس اجہاد بالرائے کی مختلف صورتیں ہیں۔ بعض وہ جو بعد میں حدیث کے مطابق معلوم ہوئیں۔ مثلاً



حضرت عبداللہ بن مسعود سے ایک عورت کے متعلق سوال کیا گیا کہ اس کے شوہر نے انتقال کیا۔ اور مہر کی تعیین نہ کی۔ آپ نے فرمایا۔ مجھے اس مسئلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ نہیں معلوم۔ مگر لوگوں کے مسلسل ایک ماہ تک اصرار کے بعد آپ نے فرمایا، اس کو پورا مہر مثل دینا چاہئے۔ اور وہ عدت بھی کر لگی۔ اور میراث بھی پائیگی۔ اس کے بعد حضرت معقل بن یسار نے کہا۔ یہ فیصلہ بالکل ٹھیک ہے۔ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح ایک عورت کے متعلق فیصلہ کیا تھا۔ حضرت ابن مسعود فرماتے ہیں۔ اسلام کے بعد سے اب تک مجھے اتنی بڑی خوشی نہیں حاصل ہوئی تھی۔ جو اس وقت میری رائے کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے کے مطابقت سے ہوئی۔ ایک صورت یہ ہے۔ کہ دو صحابی کے درمیان کسی مسئلہ میں مناظرہ ہوا۔ اور پھر کسی ایک جانب حدیث صحیح ہوئی۔ تو صحابی نے اجتہاد سے اس حدیث کی طرف رجوع کر لیا۔ اس کی مثال حضرت ابو ہریرہ کا یہ مذہب ہے۔ کہ حالت جنابت میں اگر صبح ہو جاوے۔ تو روزہ فاسد ہو جاتا ہے لیکن جب بعض ازواج نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر ہوئی۔ تو انہوں نے کہا یہ غلط ہے۔ روزہ نہیں ٹوٹتا۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اپنے قول و اجتہاد سے رجوع کر لیا، تیسری صورت یہ ہے۔ کہ کسی صحابی کو حدیث تو پہنچی۔ لیکن اس کی صحت پر اسے یقین نہ ہوا۔ اس لئے اس نے اسے تسلیم نہ کیا۔ اور اپنے اجتہاد پر قائم رہا، اس کی مثال فاطمہ بنت قیس کی حدیث ہے۔ کہ وہ اپنے شوہر کی طرف سے طلاق بدعی مغلط دی گئی تھی۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے سکنی اور نفقہ نہ دلویا، حضرت عمر نے اس حدیث کو قبول نہ کیا۔ اور فرمایا میں کتاب اللہ کو ایک عورت کے بیان پر چھوڑ نہیں سکتا ہوں۔ نہ معلوم جھوٹ کہتی ہے یا سچ، اور دوسری مطلقہ عورت کو مکان اور نفقہ کا حکم دیا۔ اور حضرت عائشہ نے بھی فاطمہ بنت قیس سے یہی کہا۔ کہ تو اللہ سے اس بات کو بیان کرتے ہوئے کہ مکان اور نفقہ نہ دلایا جائے، ڈرتی نہیں، دوسری مثال حضرت عمر کا مسلک تھا



کہ جہنمی کے لئے اگر پانی نہ پائے۔ تو تیمم کافی نہیں، حضرت عمار بن یاسر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنے سفر کا حال بیان کیا۔ کہ میں جہنمی ہو گیا۔ اور پانی نہ ملا۔ تو میں مٹی میں لٹھر گیا۔ اور میں نے اس طریقہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا۔ آپ نے فرمایا۔ اس کی کیا ضرورت تھی۔ اور اپنے دست مبارک زمین پر مارے۔ اور اپنے چہرہ اور ہاتھ پر مل کر فرمایا۔ یہ طریقہ کافی تھا۔ لیکن حضرت عمر نے کسی پوشیدہ علت کی وجہ سے اسے قبول نہ کیا۔ لیکن بعد میں یہ حدیث اس قدر مستفیض ہوئی کہ اس کی عدم صحت کا وہم جاتا رہا۔ اور بالاتفاق لائق عمل ہو گئی۔ چوتھی صورت یہ ہے۔ کہ کسی صحابی کو حدیث ہی نہیں پونجی مثلاً حضرت بن عمر عورتوں کو غسل کے وقت جوڑے کھولنا ضروری جانتے تھے۔ جب حضرت عائشہ کو اسکی اطلاع ملی۔ تو انہوں نے فرمایا۔ تعجب ہے۔ ابن عمر ایسا فتویٰ دیتے ہیں۔ پھر وہ عورتوں کو غسل کے وقت سر منڈوا لینے کا کیوں فتویٰ نہیں دیتے میں نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غسل کیا ہے۔ اور سر پر صرف تین بار پانی ڈالا ہے۔ اور بال نہیں کھولے۔ ایک اور مثال زہری کہتے ہیں۔ کہ منہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث نہیں پہنچی تھی۔ کہ عورت کے لئے حالت حیض میں نماز معاف ہے۔ وہ ان ایام میں نماز نہ پڑھنے سے رویا کرتی تھیں، پھر اس اختلاف رائے کی ایک اور صورت یہ ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال کی نوعیت کے متعلق اختلاف ہو جائے، جیسا کہ اصحاب اصول روایت کرتے ہیں۔ کہ تخصیص یعنی وادی ابطح میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اترنے کے وقت کا اختلاف، ابو ہریرہ اور ابن عمر نے اس کو قبرت پر محمول کیا۔ اور سنن حج میں داخل کر دیا۔ لیکن حضرت عائشہ اور ابن عباس نے اس کو محض اتفاقی امر سمجھا۔ دوسری مثال جمہور صحابہ طواف میں رمل کو سنت کہتے ہیں۔ اور ابن عباس ایک امر اتفاقی سمجھتے ہیں۔ جو ایک ضرورت کے ماتحت تھا۔ اور وہ یہ تھا۔ کہ مشرکین کہا کرتے ان لوگوں کو یثرب (مدینہ) کی گرمی نے کمزور کر دیا ہے۔ اس لئے حضرت رمل



فرماتے، اور بعض وقت وہم بھی سبب اختلاف ہوتا ہے۔ اسکی مثال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کیا۔ اور لوگوں نے آپ کو حج کرتے دیکھا۔ بعضوں کا خیال یہ ہوا کہ آپ متمتع تھے۔ بعضوں نے کہا قارن تھے۔ بعضوں نے کہا مفرد تھے۔ دوسری مثال ابو داؤد نے سعید ابن جبیر سے روایت کی ہے۔ کہ وہ حضرت عبد اللہ بن عباس سے کہتے ہیں۔ اے ابوالعباس میں اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حج و اہمال کے موقعہ کے اختلاف کو بڑی تعجب کی نظر سے دیکھتا ہوں۔ آپ نے فرمایا۔ میں تمام لوگوں سے زیادہ اس مسئلہ کی حقیقت سے واقف ہوں۔ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک حج ہے۔ جس میں لوگ اس طرح مختلف ہو گئے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حج کی نیت سے نکلے۔ ذی النحیفہ میں پہنچ کر دو رکعتیں پڑھیں۔ جس میں ایک رکعت کے اندر تکبیر کہی، اور دو رکعتوں کے بعد تکبیر حج کہی۔ بعض لوگوں نے یہ تکبیر سنی۔ اور انہوں نے اسی کو یاد کر لیا۔ پھر وہاں سے آپ چلے اور آپ کی اونٹنی چلنے لگی۔ تو آپ نے تکبیر کہی۔ ایک جماعت نے اسے دیکھا اور یہ کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت تکبیر کہی۔ جب آپ کی اونٹنی تیز چل رہی تھی، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب میدان کے ٹیلے پر پہنچے۔ تو آپ نے وہاں تکبیر کہی۔ بعضوں نے یہ سمجھا۔ کہ ہمیں سے اہمال کرنا چاہئے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اہمال کیا۔ اور قسم اللہ کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مصلیٰ اور اونٹ کی چلنے کی حالت اور ٹیلے پر چڑھنے کی حالت میں ہر وقت تکبیر کہی، ایک اختلاف کا سبب ہوو نسیان بھی ہے۔ جیسا کہ حضرت ابن عمر فرماتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رجب میں عمرہ کیا۔ حضرت عائشہ نے جب سنا تو فرمایا۔ وہ بھول گئے ہیں۔ ایک اختلاف کا سبب حدیث کا عدم فہم بھی ہے۔ جیسے حضرت عمر یا ابن عمر کا قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مردے اپنے رشتہ داروں کے رونے کی وجہ سے عذاب کئے جلتے ہیں۔ جب حضرت عائشہ کو اطلاع ملی۔ تو آپ نے فرمایا۔ ابن عمر یا عمر نے حدیث کا مفہوم صحیح نہیں سمجھا۔ اصل واقعہ یہ تھا۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک دفعہ ایک



یہودیہ کے سامنے سے گذرے۔ اس کے گھروالے اس پر رو رہے تھے۔ آپ نے فرمایا  
گھروالے تو رو رہے ہیں۔ اور اس پر عذاب کیا جا رہا ہے۔ حضرت عمر وغیرہ نے  
عذاب کو روکنے کی علت سمجھ کر ہر دوڑے جانے والی میت کے لئے عذاب کا  
حکم لگا دیا، اور بعض وقت کسی حکم حدیث کی علت معلوم کرنے میں اختلاف ہو  
گیا ہے۔ اس کی مثال جنازہ کے لئے کھڑا ہونا ہے۔ بعضوں نے کہا۔ اس سے  
ملائکہ کی تعظیم مد نظر ہے۔ مومن و کافر دونوں برابر ہیں، اور بعضوں نے کہا موت کے  
خوف کو یاد کرنے کے لئے کھڑے ہونا ہے۔ لیکن حضرت حن ابن علی علیہما السلام فرماتے  
ہیں۔ کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سے ایک یہودی کا جنازہ  
گذرا۔ تو آپ اس خوف سے کھڑے ہو گئے۔ کہ وہ آپ کے سر سے اوپر ہو کر نہ گذر جائے  
اسی طرح بعض وقت مختلف حدیثوں کے جمع میں اختلاف ہو جاتا ہے۔ جیسے متعہ  
کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عام خیبر میں ایک دفعہ اس کی اجازت دی تھی پھر  
دوبارہ غزوہ اوطاس میں پھر آپ نے منع فرمایا۔ حضرت بن عباس فرماتے ہیں حضرت  
ایک ضرورت کی وجہ سے تھی۔ اور نہ ہی اس ضرورت کے پورے ہو جانے سے ہوئی  
اور حکم اس کا باقی رہیگا (یعنی اگر پھر علت لوٹ آئے۔ تو حکم بھی ٹوٹے گا اور جمہور کا  
خیال ہے۔ کہ رخصت اباختہ تھی۔ اور نہ ہی نے اس کا نسخ کر دیا۔ اور اب الی یوم القیامہ  
حرام ہے۔

ایک اور مثال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے استنجائے استقبال قبلہ سے  
منع فرمایا۔ ایک جماعت اس لفظ کے عموم کی طرف گئی۔ اور اسی کو اصل قرار دیا، اور  
اس کو غیر منسوخ سمجھا۔ اور حضرت جابر فرماتے ہیں۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
کو آپ کی وفات سے ایک سال قبل قبلہ کی طرف استنجا کرتے دیکھا۔ اور اس فعل سے  
نہی منسوخ ہو گئی۔ اور حضرت ابن عمر فرماتے ہیں۔ اپنے قبلہ کی طرف پیٹھ کر کے قضاء

م متعہ کی بحث ابن عبد البر نے کتاب التہمید میں بھی کی ہے۔ اور حضرت عبداللہ بن عباس کی تائید بعض  
دیگر صحابہ سے بھی کرتے ہیں۔ جیسے جابر بن عبد اللہ وغیرہ، لیکن خود مصنف نے اس مسلک باطلہ کی تردید کی ہے۔



قضاء حاجت کی، اور اس سے وہ جمہور کے قول کو رد کرتے ہیں، اور ایک جماعت نے ان دونوں روایتوں کو جمع کرنے کے بعد یہ نتیجہ نکالا۔ کہ نبی صحرا میں منع ہے۔ اور مکان میں استقبال اور استدبار دونوں جائز ہیں۔ جیسا کہ شعبی وغیرہ کا یہی خیال ہے اور ایک جماعت اس طرف گئی۔ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول عوام کے لئے واجب العمل اور آپ کا ذاتی فضل ممکن ہے۔ آپ کی خصوصیات سے ہو۔ اس لئے وہ اس حکم عام کے لئے ناسخ اور مخصوص نہیں بن سکتا۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ صحابہ کے اختلاف کی یہی نوعیتیں قائم ہوئیں۔ اور تابعین نے مختلف صحابہ سے حدیثیں اور خود ان کے اقوال اخذ لئے۔ اور اپنی فہم فراست سے متضاد کی توجیہ یا ایک کی دوسرے پر تزییح قائم کی، اور صحابہ کے بعض اقوال ان کے نزدیک دیگر احادیث و اخبار کی وجہ سے منسحل ہو گئے۔ اگرچہ وہ کبار صحابہ سے منقول تھے، جیسے تیمم میں حضرت عمر اور عبداللہ بن مسعود کا مسلک کے بعد والوں کے پاس اس روایت کی صحت بہت کافی ذرائع سے ہوئی، اور عمار اور عمران بن حصین وغیرہما کی حدیثیں اس پر صاف دلالت کرتی تھیں۔ اس اصول پر تقریباً سارے علماء تابعین کا ایک خاص مذہب بن گیا۔ اور ہر عالم اپنے شہر کا امام ہو گیا، جیسے سعید بن المسیب اور سالم بن عبداللہ بن عمر اور ان کے بعد زہری، قاضی سیحی بن سعید، ربیعہ بن عبدالرحمن مدینہ میں اور عطاء بن ابی رباح مکہ میں، ابراہیم سنخنی، شعبی کوفہ میں، اور حسن بصری بصرہ میں، اور اور طاؤس بن کيسان مین میں، اور کچھ ل شام میں، یہ تفضیل تھی۔ تابعین علما کی سلامی دنیا میں اللہ تعالیٰ نے انہیں لوگوں کا پیا سا سارے عالم کو بنایا۔ اور لوگ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کے فتاویٰ اور اقوال انہیں سے جمع کرنے لگے اور خود ان کے اقوال و فتاویٰ بھی لوگوں نے اخذ کئے۔ اور یہی حضرات امت کے مفتی قاضی قرار دئے گئے۔ اور سعید بن المسیب اور ابراہیم وغیرہما نے پورے فقہی ابواب کو جمع کیا۔ اور ہر باب کے لئے ان کے پاس چند اصول تھے۔ جن کو انہوں نے سلف سے پایا تھا۔ اور اسی کے ساتھ سعید بن المسیب وغیرہ کا خیال یہ تھا۔ کہ اہل الحزب



فقہ میں سب سے زیادہ لائق اخذ ہیں۔ اور ان کے مذہب کی اصل عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما  
 ابن عباس اور مدینہ کے قضاة کے فتاویٰ تھے، انہوں نے انہیں اقوال کو جمع کیا۔ اور  
 اس میں غور و فکر کرنے لگے۔ جو مستفق علیہ نظر آیا۔ اسے پوری توجہ کے ساتھ اخذ کیا۔ اور جو  
 مختلف فیہ تھا۔ اس میں اقویٰ و ارجح کی طرف رجوع کیا، یا اس وجہ سے کہ کثرت اسی طرف  
 تھی۔ یا اس لئے کہ قیاس صحیح اور تخریج کتاب و سنت اسی چیز کی داعی تھی۔ اور اگر ان  
 تمام ذخیروں میں انہیں کسی خاص مسئلہ کا جواب نہ ملا۔ تو اشارات و اقتضات کے  
 لحاظ سے فیصلہ کیا۔ اس بنا پر انہیں ہر باب کے ماتحت بہت مسائل حاصل ہو گئے۔  
 دوسری طرف ابراہیم اور ان کے ساتھیوں کا یہ خیال تھا۔ کہ عبداللہ بن مسعود اور ان  
 کی جماعت کا اتباع فقہ میں سب سے بہتر ہے۔ جیسا کہ علمہ نے ایک موقع پر مرق  
 سے کہا تھا۔ کیا تم میں سے کوئی عبداللہ بن مسعود سے بھی زیادہ لائق اعتبار ہے اور حضرت  
 امام ابو حنیفہ نے امام اوزاعی کو کہا۔ ابراہیم سالم سے زیادہ فقیہ ہیں۔ اور اگر عبداللہ بن عمر  
 کو شرف صحبت نہ ہوتا۔ تو میں کہتا۔ کہ علمہ ان سے تفقہ میں افضل ہیں، اور عبداللہ بن  
 مسعود تو عبداللہ بن مسعود ہی ہیں۔ اور ابراہیم کا اصل مذہب حضرت علی عبداللہ  
 بن مسعود شریح رضی اللہ عنہم اور دیگر قضاة کوفہ کے فتاویٰ و قضایا ہے۔ انہوں نے بھی  
 اللہ کی توفیق سے اپنے یہاں کے فتاویٰ اہل مدینہ کی طرح جمع کئے۔ اور تخریج و استنباط  
 سے ہر باب میں بہت سے مسائل پیدا کئے۔ تو سعید بن المسیب اہل مدینہ کی  
 زبان قرار دئے گئے۔ کیونکہ وہ عمرؓ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما کی حدیث و قضایا کے  
 حافظ تھے۔ اور ابراہیم اہل کوفہ کی زبان قرار دئے گئے۔ اس لئے  
 اگر یہ دونوں کچھ کہیں۔ اور کسی کی طرف سے اُسے منسوب نہ کریں۔ تو زیادہ  
 حصہ اس کا سلف ہی کی طرف صراحتاً یا کثرتاً منسوب ہوگا۔ اب دونوں سے ان  
 کے شہر کے فقہانے لیا۔ اور غور و فکر کی اور اسی کے مطابق مسائل کی تخریج شروع  
 کر دی، واللہ اعلم۔







بھی اس پر عمل نہ کرتے۔ اور صحابہ کا اتباع کرتے۔

یہ اصول سارے سلف کا تھا۔ اور اس میں ایک شخص کا بھی اختلاف نہ تھا۔ اُن کے نزدیک حدیث کے ناقابل قبول ہونے کی سب سے بڑی وجہ یہی تھی۔ کہ اُس پر عمل نہ کیا گیا ہو چنانچہ اسی وجہ سے امام ترمذی نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ میں اپنی کتاب میں جو حدیثیں لایا ہوں۔ وہ فقہا کی معمول بہا، مین اللادو حدیثیں کہ اُن پر امت میں کسی نے بھی عمل نہیں کیا۔ اسی کیسا تھا جب صحابہ اور تابعین کے اقوال مختلف ہو کر آئے۔ اور ہر جانب معمول بہا حدیثیں یا آثار ہوتے تو اس وقت ہر ایک عالم کی نظر میں اپنے ہنر کے علما اور اپنے ہی اساتذہ کا قول پسندیدہ ہوتا، کیونکہ وہ اُن کی صحت و سقم سے پوری طرح واقف ہوتا ہے اور ان کے بحر و فضل کی طرف اس کا میلان زیادہ ہو کر آتا ہے۔ اس لئے حضرت عمر عثمان عبداللہ بن عمر، حضرت عائشہ عبداللہ بن عباس زید بن ثابت اور اُن کے شاگرد مثل سعید بن مسیب جن کو حضرت عمر اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما کے فیصلے سب سے زیادہ محفوظ تھے۔ اور عروہ، سالم عطاء بن یسار، قاسم، عبید اللہ بن عبداللہ، زہری، یحییٰ بن سعید، زید بن اسلم، ربیعہ رضی اللہ عنہم اجمعین۔ یہ سب اہل مدینہ کی نظر میں حدیث حاصل کرنے کے لئے سب سے زیادہ مستحق تھے۔ اور مدینہ ہر زمانہ میں فقہا اور علماء کا مرکز رہا تھا۔ اسی لئے امام مالک رحمہ اللہ کبھی اہل مدینہ کے مسلک کو نہیں چھوڑتے تھے، اور عبداللہ بن مسعود اور ان کے شاگرد اور حضرت علی، شریح، شعیب اور ابراہیم کے فتویٰ اور کوفہ کے بیشتر صحابہ و تابعین، علما کوفہ کی نظروں میں اویوں کی نسبت زیادہ لائق سمجھے جاتے تھے۔ اور جو اقوال بہ علما اپنے اساتذہ سے سننے لگتے۔ اور کبھی خاص مسئلہ کا جواب ان سے نہ معلوم ہوا ہو۔ تو ایسا اور اقتضاء کے ذریعہ نہیں کے کلام سے مسئلہ کے جواب نکال لیا کرتے۔ اس طبقہ کے علما نے اپنے اپنے شہر کے آثار و فتاویٰ جمع کرنا شروع کئے۔ امام مالک اور محمد بن ابی ذریب نے

لہ علم المشایخ علامہ مقبلی



مدینہ میں تصنیف شروع کی۔ اور ابن جریر اور ابن عیینہ نے مکہ ثوری نے کوذ  
عبداللہ بن مبارک نے خراسان ربیع بن صبیح نے بصرہ میں حدیثیں جمع کیں جب  
منصور عباسی نے حج کیا۔ تو امام مالک سے کہا۔ میرا قصد یہ ہے۔ کہ تمہاری مصنفہ  
کتاب کے مختلف نسخے کے اقطار میں بیحدوں۔ اور لوگوں کو اسی پر عمل کرنے  
کی تاکید کروں۔ آپ نے فرمایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں ملکوں میں  
پھیل چکی ہیں۔ اور صحابہ فروع مسائل میں باہم مختلف ہیں۔ اور لوگوں نے  
انہیں سے اپنے مذاہب مدون کئے ہیں۔ اس لئے ان کو ان کے مذہب پر  
چھوڑ دیجئے۔ بعضوں نے اس قصہ کو ہارون الرشید کی طرف منسوب کیا ہے  
ہارون کا ارادہ موطا کو خانہ کعبہ میں لٹکا دینے کا تھا۔ لیکن امام مالک نے یہ  
کہہ کر روک دیا۔ کہ فروع میں صحابہ اور تابعین مختلف ہیں۔ اور ہر شخص اپنی  
تائید میں حدیثیں رکھتا ہے۔ علماء مدینہ کی جو حدیثیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
سے پہنچیں تھیں۔ ان میں امام مالک سے زیادہ قابل اعتماد اور کوئی نہ  
تھا۔ کیونکہ مدنی صحابہ اور فقہاء تبعہ کے اقوال پر ان کو سب سے زیادہ اطلاع تھی۔  
جب امام مالک مرجع و مقتدی ہوئے۔ تو انہوں نے حدیث و فتوٰں کو پھیلایا۔  
لوگوں کو ان سے مکمل فائدے پہنچے۔ امام مالک کے شاگردوں نے ان کے  
پسندیدہ اقوال اور روایتوں کو جمع کیا۔ اور کتابی شکل میں لاکران پر مشرعیں لکھیں  
اور خدا نے ان کے ذریعے سے امت کو بڑا فائدہ پہنچایا، اور اسی کا نام مالکی  
مذہب ہوا۔ دوسری طرف امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ تھے۔ آپ کا مسلک اخذ  
حدیث میں اپنے شہر کے شیوخ کی پابندی تھی۔ وہ ابراہیم نخعی اور ان کے ہم عصر علماء  
کی روش کے زیادہ پابند تھے، ان کی عظمت شان کا اندازہ ان کے مسائل مجربہ سے  
ہو سکتا ہے۔ آپ نہایت دقیق النظر اور دور بین تھے، فروع کی جانب آپ کی  
بڑی توجہ تھی، اس قول کی صداقت امام محمد کی کتاب الآثار اور جامع عبدالرزاق اور  
ابوبکر بن ابی شیبہ کی مصنف سے ہو سکتی ہے۔ امام صاحب کہیں بھی ابراہیم نخعی سے



علیحدہ نہیں ہوتے۔ الاما شالہ اور اس علیحدگی میں بھی فقہاء کو فہ سے کہیں علیحدہ نہیں ہوتے۔ امام ابو حنیفہ کے شاگردوں میں سب سے زیادہ شہرت امام ابو یوسف کی ہوئی۔ ہارون الرشید کے وقت میں قاضی القضاہ کا منصب اُن کو حاصل ہوا۔ اور تمام اطراف عراق۔ خراسان و ماوراء النہر میں اُن کا مسلک پھیل گیا، اور تمام شاگردوں میں تصنیف کی شائستگی اور اہتمام درس کی فوقیت امام محمد کو حاصل ہوئی۔ انہوں نے امام ابو حنیفہ ابو یوسف و مالک وغیرہ سے علوم حاصل کئے۔ لیکن امام صاحب کے پیروؤں شاگرد آپ کے ہی نقش قدم پر چلے۔ صرف مختلف فروع میں آپ کے اختلاف کیا امام محمد کی تصنیفات سے اُمت نے بید فائدہ حاصل کیا۔ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے ماننے والوں نے ان کتابوں کی طرف کافی توجہ کی۔ اور اُن کے شروع و حواشی لکھے، اور ان کے مسائل کو مدلل کیا، اور ان کی پوری خدمت کی۔ اور پھر خراسان و ماوراء النہر وغیرہ میں پھیل گئے۔ اور انہیں منصب کتابوں پر عمل کا نام حنفی مذہب ہوا۔ جب مذہب حنفی و مالکی شایع ہو چکا۔ اس کے اصول و فروع مرتب ہو چکے۔ تو امام شافعی کا نشوونما ہوا۔ اُن کے مُتعلق کہا جاتا ہے۔ کہ انہوں نے متقدمین کی روشوں میں جب غور کیا۔ تو بہت سی ایسی باتیں پائیں جن کی وجہ سے وہ ان کا پورا اتباع نہ کر سکے۔ امام شافعی نے ان طریقوں کو کتاب الام کے اوائل میں ذکر کیا ہے۔ منجملہ اُن کے یہ امر تھا۔ کہ متقدمین حدیث مرسل و منقطع پر بھی عمل کرتے تھے۔ اور اس قسم کی احادیث خرابی سے خالی نہیں تھیں۔ جب حدیث کے طرق تمام جمع کئے جاتے تھے۔ تو یہ بات ظاہر ہو جاتی تھی۔ کہ اکثر مرسل احادیث محض بے بنیاد تھیں۔ اور اکثر مرسل حدیثیں مرفوع کے مخالف تھیں۔ اس لئے مرسل پر عمل اسی وقت کیا جائے۔ جب اُس کے شروط متحقق ہوں۔ کتب اصول میں یہ تمام شرطیں مذکور ہیں۔ دوسرا قول یہ تھا۔ کہ مختلف احادیث کے متعلق متقدمین کے زمانے میں ایسے اقوال منصب نہ تھے۔ جن سے اُن احادیث میں جمع ہو سکے۔ اس لئے اُن کے اجتہادی مسائل میں اکثر خرابیاں رہا کرتی تھیں۔ اس ضرورت کے رفع کرنے



کے لئے امام شافعی نے اس قسم کی حدیثوں کے متعلق اصول کی بنا ڈالی۔ اور ان سب کو ایک کتاب میں جمع کر دیا۔ ایک امر یہ بھی تھا۔ کہ بعض صحیح احادیث ان علماء تابعین کو نہ پہنچیں تھیں۔ جن پر فتویٰ کا مدار تھا۔ اس لئے ان کو اپنی رائے سے اجتہاد کرنا پڑا۔ عام الفاظ کا انہوں نے لحاظ کیا اور گذشتہ صحابہ کی انہوں نے پیروی کی اور اسی کے مطابق انہوں نے فتویٰ دیا۔ لیکن تیسرے طبقہ میں ان احادیث کی شہرت ہو گئی۔ لیکن انہوں نے یہ گمان کر کے کہ یہ حدیثیں ان کے شہر کے علما کے عمل اور متفق علیہ طریقوں کے مخالف ہیں۔ اس لئے انہوں نے اس پر عمل نہ کیا اور یہ حدیثیں مورد طعن اور قابل السقوط ہو گئیں (ناقابل اعتبار) یا بعض حدیثیں ایسی تھیں کہ تیسرے طبقہ میں بھی ان کی شہرت نہ ہوئی۔ لیکن محدثین نے احادیث کے تمام طرق کو خوب غور کر کے دیکھا۔ اور اطراف ملک میں سفر کر کے علما حدیث سے ان کی تفتیش کی گئی۔ تو اکثر احادیث ایسی ظاہر ہوتی گئیں۔ کہ صحابہ میں سے صرف ایک یا دو شخصوں نے ان کی روایت کی تھی۔ اس لئے اکثر فقہاء کی نظر سے مخفی رہیں۔ اور ان حفاظ حدیث کے وقت ان کی شہرت ہوئی۔ جنہوں نے تمام طرق حدیث کو جمع کیا تھا، بہت سی احادیث ایسی تھیں۔ مثلاً بصرہ کے علما ان کی روایت کرتے تھے، اور دوسرے حصوں میں ان کی جانب سے غفلت تھی۔ تو امام شافعی نے ایسے موقع پر یہ توفیح کی۔ کہ علما صحابہ و تابعین ہر مسئلہ میں احادیث کی تلاش میں رہے۔ جب کوئی حدیث نہ ملی۔ تو اجتہاد کیا۔ اور اگر حدیث ملی۔ فوراً اجتہاد سے رجوع کر لیا، اور حدیث پر عمل کیا۔ جب ان کی ایسی حالت تھی۔ تو کسی حدیث پر ان کا عمل نہ کرنا اس حدیث کے ناقابل قبول ہونے کی دلیل نہیں، حدیث مجروح جب ہو سکتی ہے۔ کہ کوئی صاف جرح اس میں موجود ہو۔ اور یہ بھی تھا۔ کہ صحابہ کے سب اقوال امام شافعی کے وقت میں جمع کئے گئے۔ انہوں نے جب ان اقوال میں غور کیا۔ تو انہیں معلوم ہوا۔ کہ بعض صحابہ بھی صحیح احادیث پر مطلع نہ ہو سکے، اور ان کے اقوال حدیث کے خلاف ہیں۔ اس لئے انہوں نے ان حدیثوں پر عمل کیا اور فرمایا۔ سخن رجال و ہم رجال ہم بھی آدمی ہیں۔ اور وہ



بھی آدمی تھے، اس لئے ضروری نہیں کہ جس حدیث پر اپنے عدم علم کی وجہ سے وہ عمل نہ کریں ہم بھی نہ کریں۔ امام شافعی کا ایک خیال یہ بھی تھا کہ ہم نے فقہاء کی ایک جماعت کو دیکھا کہ وہ قیاس شرعی کے اندر ایسی رائیں مخلوط کر دیتی ہیں۔ جن کو شرع کی نظر میں وقت نہیں دی جاسکتی۔ اور وہ ان دونوں میں کوئی فرق نہیں کرتے۔ اور اپنی رائے کا نام استحسان رکھتے ہیں، اس چیز کو بھی انہوں نے نہایت شدت کے ساتھ باطل کیا ہے۔

حاصل کلام، جب امام شافعی نے اپنے خیال میں متقدمین کی ایسی حالت دیکھی تو انہوں نے از سر نو فقہ مرتب کیا۔ اور ان کے اصول و فروع کی ترتیب دی۔ نہایت بذانت سے کتابیں تصنیف کیں۔ فقہائے ان کتابوں کا اختصار کیا، شرحیں لکھیں ان کے دلائل بیان کئے۔ ان سے مسائل نکالے۔ اور پھر اکثر شہروں میں یہ لوگ پھیل گئے۔ اور مذہب شافعی اس طریقہ کا نام ہو گیا۔

ٹھیک انہیں ایام میں جب امام شافعی رح اپنے افکار قوم کے سامنے پیش کر رہے تھے۔ ایک اور مستہنی نمایاں ہوئی۔ جسے دنیا حضرت امام احمد بن حنبل رح کے نام سے جانتی ہے۔ امام احمد رح کے مسلک کو سمجھنے کے لئے چند اصولی باتوں کا سمجھ لینا ضروری ہے۔ حضرت امام شافعی رح کے بعد اس خیال کو عام طور پر تقویت دی گئی۔ کہ جو صحیح حدیث بھی ہمارے سامنے آئے۔ کسی شہر اور کسی شخص کی ہو۔ چاہے۔ اس پر پہلے عمل کیا گیا ہو۔ یا نہ، قابل قبول ہے۔ صحابہ اور تابعین میں دو جماعتیں تھیں۔ ایک وہ جو فتویٰ اور استنباط مسائل سے بہت ڈرا کرتی تھی۔ اور رائے واجتہاد کو ناپسند کرتی تھی۔ ان کی اصلی غرض صرف حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کا روایت کرنا تھا۔ حضرت معاذ بن جبل فرماتے ہیں۔ اے قوم بلکہ نازل ہونے سے قبل اس کی تفتیش میں جلدی نہ کر، اور اسی قسم کے اقوال عمر، علی، ابن عباس، ابن مسعود رضی اللہ عنہم سے مروی ہیں۔ اور جابر بن زید سے حضرت عبداللہ بن عمر نے کہا تھا۔ کہ تم بصرہ کے فقہاء میں ہو۔ اس لئے ہمیشہ فتویٰ قرآن و حدیث کی موافقت میں دینا اگر ایسا



نہ کرو گے۔ تو خود بھی ہلاک ہو گے۔ ابو نصر کہتے ہیں۔ کہ جب ابو سلمہ بصرہ میں آئے۔ تو  
 میں اور حسن بصری ان کی ملاقات کو گئے۔ انہوں نے حسن بصری سے فرمایا۔ حسن بصری  
 تم ہی ہو۔ بصرہ میں مجھے تمہاری ملاقات سے زیادہ اور کسی سے ملنے کا شوق نہ تھا۔  
 شوق اس لئے تھا۔ کہ مجھے معلوم ہوا کہ تم اپنی رائے سے مسئلہ کا جواب دیتے ہو۔ آئندہ  
 بجز قرآن و حدیث کے اپنی رائے سے فتویٰ نہ دینا، امام شعبی کا قول ہے۔ یہ علماء حدیث  
 رسول خدا اگر تم سے بیان کریں۔ تو اُسے قبول کرو۔ اور جو کچھ اپنی رائے سے کہیں۔  
 اُسے پائخانہ میں ڈال دو۔ اسی اہتمام کی وجہ سے حدیث کی تدوین کا ذوق شائع  
 ہو گیا۔ بلاد اسلامی میں جا بجا حدیث کے متعلق تصنیفیں ہونے لگیں۔ اہل روایت  
 میں ایسے علماء کم تھے۔ جن کی کوئی تصنیف نہ ہو۔ اُس وقت کی ضرورت نے ایسی حالت  
 پیدا کر دی تھی۔ اُس زمانہ کے بلند پایہ علمائے تمام ممالک حجاز، شام، عراق، مصر،  
 یمن، خراسان وغیرہ میں سفر کیا۔ اور کتابیں اور نسخے متفرق جگہوں سے فراہم کئے۔  
 غریب حدیثیں اور نادر آثار کے لئے بڑی کاوش کی، ان کی کوشش سے وہ آثار  
 و احادیث جمع ہو گئیں۔ جو پیشتر جمع نہ ہو سکی تھیں۔ اور ان کے لئے وہ سامان مہیا ہو  
 گیا۔ جو پیشتر کسی کے لئے مہیا نہ ہوا تھا۔ اور بکثرت ایک ایک حدیث کے طرق خاصہ  
 ان کو معلوم ہو گئے۔ حتیٰ کہ ان کے پاس ایسی حدیثیں بکثرت تھیں۔ جو سو سو طریقوں  
 سے مروی تھیں۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ طریقوں سے انکشاف ہو گیا۔ ان علماء  
 نے ہر ایک حدیث کا درجہ معلوم کر لیا۔ کہ کونسی غریب ہے۔ اور کون سی مستفیض ہے،  
 اور حدیث کے متابعات اور اُس کے شواہد میں غور کرنے کا ان کو خوب موقع ملا۔ اور  
 بکثرت صحیح حدیثوں کا ان کو پتہ چل گیا۔ جو اگلے مصنفوں کے وقت میں ظاہر نہ ہوئیں  
 تھیں۔ امام توافقی نے امام احمد سے کہا۔ کہ صحیح احادیث کا علم تم کو مجھ سے زیادہ  
 ہے۔ جو حدیث صحیح ہو کرے۔ وہ ہمیں بتاؤ۔ تاکہ میں اسی کو اپنا مذہب قرار دوں  
 خواہ وہ حدیث کوئی ہو یا بصری یا شامی (تقلید ابن الہمام) اس طبقہ کے علماء نے  
 اس فن میں بہت غور کیا۔ اور اس میں بحث و تفتیش کر کے ایک مستقل فن کر دیا، اس



طبقہ کے اساطین علماء یہ ہیں۔ یحییٰ بن سعید القطان، یزید بن یارون عبد الرحمن بن ہدی  
عبدالرزاق، ابوبکر بن ابی شیبہ، مسدود، ہناد، احمد بن حنبل اسحاق بن راہویہ فضل  
بن یوئین، علی بن المدینی اور ان کے دیگر ہر تہ محدثین جب محققین اہل حدیث نے  
فن روایت اور درجات حدیث خوب کھل کر لے۔ تو وہ فقہ کی طرف مائل ہوئے  
مگر اسی کیساتھ ان کا مسلک حسب ذیل اصول پر تھا۔ جب تک کسی مسئلہ کا حکم قرآن  
سے ثابت ہو۔ تو کسی دوسری شے کی طرف توجہ نہ کرنا چاہئے۔ اور اگر قرآن میں  
مسئلہ کا حکم مختلف الوجوہ ہو۔ تو اس کا حدیث سے فیصلہ کرنا چاہئے۔ خواہ وہ حدیث  
مستفیض ہو۔ جس پر فقہاء عمل درآمد کر چکے ہوں۔ یا کسی خاص شہر کے علماء یا کسی خاص  
خاندان کے علماء یا کسی خاص قبیلہ کے علماء یا کسی خاص طریقہ سے وہ مروی ہوئی۔  
خواہ صحابہ یا فقہانے اس پر عمل کیا ہوتا یا نہ کیا ہوتا۔ کسی مسئلہ میں جب ان کو حدیثیں  
مل جاتیں۔ تو پھر وہ کسی اثر یا کسی اجتہاد کا اتباع نہ کرتے۔ اور جب نہایت کوشش  
کے بعد بھی کسی مسئلہ میں حدیث نہیں ملتی تھی۔ تو اس وقت صحابہ یا تابعین میں سے  
ایک جماعت کا اتباع کرتے تھے۔ اس اتباع میں کسی شہر اور کسی قوم کی خصوصیت  
نہ تھی، اور ان کے نزدیک) قدما کا بھی دستور تھا۔ ایسی صورت میں اگر اس مسئلہ میں جمہور  
فقہاء و علماء کا وہ مسلک ہوتا۔ تو یقیناً اطمینان کے لئے کافی تھا۔ اور اگر مختلف  
فیہ تھا۔ تو جس طرف زیادہ ثقہ و روع عالم اور مشہور لوگ ہوتے۔ اسی کا اتباع  
کرتے۔ اور اگر دونوں طرف برابر ہی ہوتی۔ تو وہ مسئلہ ذات القولین ہو جاتا۔  
اور اگر ان باتوں کی چھان بین و شوارہ ہوا کرتی تھی۔ تو اس وقت کتاب و قرآن کی  
عام تعبیروں میں ان کے ایما و اقتضاء میں غور کیا کرتے تھے، اور جب دو مسئلوں میں  
ایک سی حالت ہوتی تھی۔ تو ایک کو دوسرے پر قیاس کر لیتے۔ اس میں وہ قواعد  
اصولی کے پابند نہ تھے۔ بلکہ جس طریقہ سے ایک اطمینانی حالت پیدا ہو جایا کرتی  
تھی۔ اسی سے فیصلہ کیا کرتے تھے۔ جیسے کہ تواتر کے لئے راویوں کی تعداد ان کی  
حالت کے لئے میزان نہیں ہے۔ بلکہ اس کے لئے میزان وہ یقین ہے۔ جو لوگوں کے



دلوں میں پیدا ہو جایا کرتا ہے۔ جب علمائے ان قواعد کے لحاظ سے فقہ کی ترتیب دی۔ تو جن مسائل میں قدمانے کلام کیا تھا۔ یا جو اس موجودہ زمانے میں پیش آئے تھے۔ کوئی مسئلہ ایسا نہ تھا۔ جس کے متعلق کوئی مرفوع، متصل یا مرسل، یا موقوف، صحیح، یا حسن یا قابل اعتبار حدیث نہ پہنچی ہو یا شیخین اور دیگر خلفاء یا قضاہ اور فقہاء بلاد کے کسی اثر کا پتہ نہ لگا ہو۔ یا عموم ایماہ واقضاء سے اس کا سراغ نہ لگایا گیا ہو۔ اس طرح حدانے مذہب پر عمل کرنا آسان کر دیا تھا۔ اس تمہید کو سمجھنے کے بعد یہ معلوم کرنا چاہئے۔ کہ اس جماعت کے سرخیل اور سب سے زیادہ غایر النظر حضرت امام احمد بن حنبل تھے۔ اور ان کے بعد اسحاق بن راہویہ، حضرت امام نے جس طریقہ پر فقہ کو ترتیب دیا ہے۔ اس کے لئے بیشمار احادیث کی ضرورت تھی۔ چنانچہ جب آپ سے دریافت کیا گیا۔ کہ فتویٰ دینے کے لئے ایک لاکھ حدیثیں کافی ہیں؟ تو آپ نے فرمایا۔ نہیں پھر پوچھا گیا۔ پانچ لاکھ کافی ہو سکتیں ہیں۔ فرمایا میرا خیال ہے۔ کہ کافی ہو جائیگی۔ اسی لئے آپ کے طریقہ استدلال میں جنیفہ و مالکیہ کا رنگ اجہاد نہیں ہے۔ بلکہ ہر مسئلہ کے بعد قرآن یا حدیث سے استدلال، اس کے بعد اب جامعیت کے ساتھ یہ سمجھ لینا چاہئے۔ کہ ان آئمہ کرام میں کوئی بھی ایسا نہ تھا۔ جو کتاب سنت کے مقابلہ میں اپنی رائے و اجتہاد کو دخل دیتا ہو بلکہ جیسا کہ اوپر کے مباحث سے معلوم ہوا۔ آئمہ کرام میں بعض خاص چیزوں میں اختلاف تھے۔ مثلاً حضرت امام ابوحنیفہ و امام مالک رحمہما کے نزدیک مرسل حدیثیں قابل قبول تھیں۔ اور امام شافعی رحمہما کے نزدیک نہیں۔ پھر امام اعظم رحمہما سے قرآن کی تخصیص کے قابل نہ تھے۔ اور بعض آئمہ تھے، امام اعظم رحمہما روایۃ حدیث میں فقہ کو غیر فقہ پر ترجیح دیتے تھے۔ اور دوسرے علو سذ کو جیسا کہ رفع یدین کے مسئلہ میں امام اوزاعی رحمہما سے امام صاحب نے فرمایا تھا۔ پھر حضرت امام اعظم روایت باللفظ کو روایت بالمعنی پر ترجیح دیتے تھے۔ یعنی حدیثنا و خبرنا کے ذریعہ جو حدیثیں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی جائیں۔ ان میں بعینہ



آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ ہوں۔ اور دوسرے آئمہ کے نزدیک یہ کوئی لازمی شرط نہ تھی۔ جیسا کہ جامع ترمذی کتاب اعلیٰ میں موجود ہے۔ اس لئے یہ قدرتی بات تھی۔ کہ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے طریقہ استدلال اور دوسرے آئمہ کے طریقہ استدلال میں فرق ہو۔ حضرت امام اعظم کا طریقہ استدلال یہ تھا۔ کہ وہ کسی مسئلہ میں پہلے قرآن سے دلیل لاتے۔ اگر قرآن میں اس کی بابت کچھ نہ ہوتا۔ تو حدیث سے اس طرح دلیل لاتے۔ کہ مثلاً مجھ سے حماد نے روایت کی۔ اور ان سے ابراہیم نے اور ان سے علقمہ نے کہ حضرت علی یا عبد اللہ ابن مسعود یا حضرت عمر یا دوسرے صحابہ کا یہ خیال تھا۔ لیکن صحابہ کا یہ خیال ان کی ذاتی رائے نہ ہوتی تھی۔ بلکہ حضرت نبی کریم صلی اللہ وسلم کے قول یا فعل کی بنا پر وہ ایسا کرتے یا کہتے تھے۔ اور زیادہ تر حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ فرماتے۔ کہ ابراہیم کا یہی خیال ہے۔ کیونکہ حضرت ابراہیم نخعی وہ جلیل القدر تابعی اور محدث تھے۔ کہ صحاح و سنن میں ان کی روایتیں بکثرت ہیں۔ بلکہ امام بخاری رحمہ تو ان کے فتاویٰ جا بجا نقل کرتے ہیں۔ اور ان سے اپنے مذہب کی تائید کرتے ہیں۔ ابراہیم نخعی رحمہ کے متعلق شاہ ولی اللہ صاحب کا یہ خیال آپ معلوم کر چکے ہیں۔ کہ ان کی مرسل حدیثیں مرفوعہ ہوا کرتی ہیں۔ اس لئے حضرت امام ابو حنیفہ کا یہ کہنا کہ ابراہیم ایسا کہتے یا کرتے ہیں۔ اس کے معنی یہی تھے۔ کہ یہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول یا فعل ہے۔ بعینہ اس کی صورت یہ ہے۔ جیسا کہ کئی کہے۔ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بہت ایسا بھی ہے۔ کہ آپ نے کسی مسئلہ کی دلیل کے موقع پر مرفوعہ حدیثیں بھی بیان کی ہیں۔ یہ صرف اس لئے تھا۔ کہ آپ روایت یا لفظ پر بہت زور دیتے تھے۔ آئمہ کرام میں حدیثوں کی صحت، معنی کے متعلق بھی اختلاف تھا۔ ایک مجتہد کے نزدیک ایک حدیث قابل قبول تھی۔ دوسرے کے نزدیک قابل قبول نہیں تھی۔ اس لئے ہر مجتہد اپنی بصیرت اور اسول کے ماتحت حدیثیں قبول کرتا، اور چھوڑتا تھا، پھر چونکہ شریعت اسلامیہ نے بعض مواقع پر اجتہاد کی اجازت دی تھی۔ اس لئے آئمہ کرام ایسے موقعوں پر اجتہاد کرتے جبکہ



کتاب و سنت میں کوئی صریح حکم موجود نہ ہوتا، جیسا کہ حضرت معاذ ابن جبل رضی کی حدیث میں ہے۔ کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ان کو مین کی طرف بھیجنے کا ارادہ کیا۔ تو فرمایا۔ اگر تمہارے سامنے کوئی مقدمہ آیا۔ تو اس کا فیصلہ کس طرح کرو گے۔ حضرت معاذ نے کہا۔ کتاب اللہ سے آنحضرت نے فرمایا۔ اگر کتاب اللہ میں نہ پاؤ۔ کہا سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرمایا، اگر اس میں بھی نہ پاؤ۔ فرمایا اپنی رائے سے اجتہاد کرونگا۔ اور کوتاہی نہیں کرونگا۔ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے سینہ پر ہاتھ مارا۔ اور فرمایا سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں۔ جس نے رسول اللہ کے فرستادہ کو وہ تو فتنہ بخشی۔ جس سے اللہ اور اللہ کا رسول راضی ہے۔

اس حدیث سے یہ بات صاف ظاہر ہو گئی کہ اجتہاد کا اسی وقت حق ہے جب کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی صریح بات نہ ملے اور یہ اجتہاد بھی مین منشا حدیث کے مطابق تھا، حدیث کے معاملہ میں حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ درامت کو بھی دخل دیتے تھے۔ اور حدیث کے انتخاب میں وہ بڑی احتیاط سے کام لیتے تھے۔ اور بیا اوقات بعض حدیثیں انہیں (جس میں تعارض ہو کر تے) چھوڑنا پڑتی تھیں۔ اور اسی اصول کو دوسرے آئمہ نے بھی برتا۔ اور انہیں خاص اسباب کے ماتحت امام بخاری رحمہ نے بہت سی حدیثیں چھوڑ دیں۔ اس لئے تنہا حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ پر اس کا الزام نہیں دیا جاسکتا، حدیثوں کی جانچ کا حق جس طرح دوسرے آئمہ کو حاصل تھا۔ ٹھیک اسی طرح امام اعظم رحمہ جیسے مسلم القبول مجتہد کو بھی حق تھا۔ پس جو حدیثیں ان کے نزدیک صحیح ثابت ہوئیں۔ ان پر عمل کیا۔ اور جو غیر صحیح تھیں۔ انہیں چھوڑ دیا۔ جیسا کہ دوسرے آئمہ نے کہا۔



# صحیح بخاری

یہ امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل البخاری کی تالیف ہے۔ اور کتب مشہورہ کی سب سے صحیح کتاب ہے۔ امت نے اس کتاب کو جس حُسن قبولیت کا شرف بخشا۔ وہ کم ہی کسی کتاب کو نصیب ہوا۔ ایک بڑے گروہ کا خیال ہے۔ کہ قرآن کے بعد سب سے زیادہ صحیح کتاب بخاری ہے۔ اس کی مختلف شرحیں لکھی گئیں مختلف جگہ لکھے گئے یہاں تک کہ اس کا جزو جزو اور ورق ورق لوگوں کی توجہ کامرکز بن گیا۔ ثلاثیات بخاری تراجم ابواب بخاری شروطہ بخاری نو اور لغات بخاری پر متعدد رسالے لکھے گئے جو اس کتاب کی قبولیت کی بہترین دلیلیں ہیں۔ امام نے اپنی یہ کتاب سولہ سال میں لکھی ہے لکھنے کا طریقہ یہ تھا کہ غسل کرتے نفل کی دو رکعتیں پڑھتے، استخارہ کرتے اس کے بعد ایک حدیث لکھتے، امام بخاری نے یوں تو بیشمار علمائے حدیث سے روایت حدیث کی۔ لیکن علی ابن المدینی، امام احمد بن حنبل، اسحاق ابن راہویہ ان کے سب سے بڑے معلمین میں ہیں۔ حافظ ابن حجر نے امام کی اس تصنیف کا واقعہ یوں لکھا ہے کہ یہ ایک دفعہ حسب معمول امام اہل مشرق اسحاق ابن راہویہ سے حدیث کا درس لے رہے تھے کہ اسحاق نے ان سے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں میں اختلاف واقع ہو گیا ہے اور صحیح حدیثوں کی شناخت بہت مشکل ہو گئی ہے کاش تم ایک ایسی کتاب لکھتے جو اصح حدیثوں کی حامل ہوتی امام بخاری کے دل کو یہ بات لگ گئی اور آپ نے یہ خدمت انجام دینا شروع کر دی۔ تکمیل کے بعد امام احمد کے پاس پیش کیا۔ سبہوں نے اس کی تصدیق کی اور اس کتاب کو پسند کیا واللہ اعلم بالصواب۔ اس میں شک نہیں کہ امام کی یہ کتاب



اسلام کی سب سے اہم ترین کتاب ہے۔ اور امت جس حد تک بھی اس پر فخر کرے بجا ہے اس کی حدیثوں کے متعلق علمائے اسلام کے خیالات بہت مختلف ہیں۔ ان میں بعضوں کا خیال ہے کہ بخاری و مسلم کی ساری حدیثیں قطعی الثبوت ہیں۔ چاہے متواتر چاہے مشہور یا احاد ہوں۔ چنانچہ ابن صلاح جیسے فزانہ محدث کا خیال بھی یہی ہے۔ لیکن امام نووی نے ان کے اس قول کی تردید کی ہے۔ وہ کہتے ہیں۔ کہ محققین کے نزدیک بجز ان حدیثوں کے جو حد تواتر کو پہنچی ہوئی ہیں۔ اور کوئی بھی قطعی الثبوت نہیں۔ بلکہ ظنی الثبوت ہیں۔ اور فیصلہ یہ ہے۔ کہ صحیحین کی حدیثیں قابل عمل ہیں۔ درجوب عمل میں ان کے برابر کسی کا مرتبہ نہیں اگرچہ ساری خبر احاد جو کسی کتاب میں موجود ہوں۔ اور محدثانہ شرائط پر پوری اترتی ہوں قابل عمل ہیں۔ لیکن بخاری و مسلم پھر بھی مقدم رہیں گی۔

کیونکہ اسکے رواۃ سب ثقہ ہیں۔ (سوا مخصوص مجروحین کے) ابن برہان الامام اور غزالی بن عبد السلام کا خیال بھی امام نووی کی تائید میں ہے۔ امام غزالی فرماتے ہیں۔ کہ یہ مذہب تو معتزکہ ہے کہ اگر امت نے کسی حدیث پر عمل کیا۔ تو وہ قطعی الثبوت ہو گئی۔ اور یہ باطل ہے۔ اس لئے کہ خبر احاد کبھی بھی مفید للیقین نہیں ہوتی۔ اسی طرح ارباب اصول اور متکلمین کا گروہ ہے۔ جو شیخ ابن صلاح کا ہمنوا نہیں ہے۔ صاحب المحصول نے اس مسلک کو اسکی تردید کیا تھا نقل کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں۔ ابوشامہ کرخی اور انکے شاگرد ابو عبد اللہ بصری کا خیال ہے۔ کہ اگر کسی خبر کے مدعا پر امت نے عملاً اجماع کر لیا۔ تو وہ خبر قطعی الثبوت ہو جاتی ہے۔ اسکو دو طریقوں سے باطل کیا ہے۔ اولاً اس لئے کہ کسی گروہ کا کسی خبر پر عمل کرنا یہ اس بات کی دلیل نہیں۔ کہ وہ اپنے مدعا میں قطعی الثبوت ہے۔ کیونکہ خبر احاد موجب عمل ضرور ہے۔ اس لحاظ سے اس پر عمل کرنا ضروری ہوتا ہے۔ پس عمل کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ قطعی الثبوت اور یقینی ہو گئی۔ ثانیاً جب وہ صرف لائق عمل ہوئی۔ تو اس کا قطعی الثبوت ہونا لازم نہ ہوا۔ ایک دروجہ یہ ہے۔ کہ ممکن ہے۔ کوئی خبر لائق عمل و یقین اس لئے قرار دی گئی۔ کہ دوسرے اولہ بھی اس کی تائید میں تھے۔ اسی طرح کی روزگمشیں کی ہیں۔ خلاصہ یہ ہے۔ کہ خبر احاد موجب عمل ضرور ہے۔ موجب یقین نہیں۔ بلکہ ظنی الثبوت ہے۔ لیکن حافظ ابن حجر نے اس موقع پر یہ اعتراض کیا ہے۔ کہ نووی کے اس قول میں کے محققین اور کثیر محدثین ابن صلاح کے



مخالف ہیں مجھے کلام ہے۔ اس لئے کہ محققین کی ایک جماعت علامہ ابن اصلاح کی حامی ہے۔ وہ کہتے ہیں شافعیہ میں ابواسحاق، ابو حامد، اسفرائین، قاضی ابوالطیب، شیخ اسحاق شیرازی حنفیہ میں امام سرخسی، مالکیہ میں قاضی عبدالوہاب، جنابہ میں ابویعلیٰ، ابوالخطاب، ابن الزاغونی اشعریہ میں ابن فورک اور اکثر متکلمین اور اہل الحدیث ان کے ہم نوا ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ ایک جماعت ابن اصلاح کی حامی اور دوسری مخالف ہے۔ بخاری و مسلم کی شرائط تخریج میں علماء کا اختلاف ہے۔ سب کا واضح اور کھلی بحث تو خود امام مسلم کے مقدمہ میں ہے۔ یعنی امام بخاری کسی راوی سے کسی حدیث لینے کی شرط یہ کرتے ہیں۔ کہ راوی کا مروی عنہ سے لقاء صحبت بھی ضروری ہے۔ صرف معاشرت کافی نہیں۔ لیکن امام مسلم صرف معاشرت کو کافی سمجھتے ہیں اور بخاری کی شرط کو اجماع محدثین کے بالکل خلاف بتاتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ بخاری ایسی حدیثیں لئے ہیں جن میں راوی اور مروی عنہ کے درمیان صرف معاشرت نہیں۔ بلکہ لقاء صحبت بھی ہے۔ بخلاف مسلم کے۔ کہ وہ اپنی کتاب میں ان لوگوں کی روایتیں بھی لئے ہیں جن میں فقط معاشرت تھی۔ لیکن بخاری اور مسلم کے شرائط تخریج صرف اسی معاشرت اور لقاء صحبت میں آ کر ختم نہیں ہو جاتے بلکہ کچھ اور بھی ہیں۔ حافظ خازمی نے آئمہ حدیث کے شرائط تخریج میں ایک کتاب لکھی ہے۔ جس میں صحیحین کے شرائط تخریج بھی لکھے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں۔ کہ محدثین کی اجازت صحیحہ کی تخریج کی صورت یہ ہے۔ کہ وہ کسی محدث کے انہیں راویوں سے حدیثیں لیتے ہیں۔ جو سب سے زیادہ ثقہ سب سے زیادہ طویل صحبت اور سب سے زیادہ ذکی و فقیہ ہو مثلاً امام زہری کے شاگردوں کے پانچ طبقات ہیں۔ (طبقة اولیٰ) ان کی حدیثوں کے لینے میں پوری طرح قابل اعتماد ہے۔ اس میں مالک بن انس، ابن عیینہ، یونس، وغیبیل وغیرہ رحم ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ انہوں نے زہری کی صحبت سب سے زیادہ اٹھائی۔ اور ان کی حدیثوں کا حامل ان سے بڑھ کر اور کوئی نہیں۔ اور سب سے بڑی بات یہ ہے۔ کہ یہ لوگ عدالت و حفظ کے معاملہ میں سب آگے ہیں۔ (طبقة ثانیہ) یہ وہ لوگ ہیں۔ جو عدالت



و ثوثق میں طبقہ اولیٰ کے مماثل ہیں۔ لیکن طبقہ اولیٰ جیسی ملازمت و حقوق ان کو حاصل نہیں۔ جیسے یث ابن سعد، اوزاعی، نعمان ابن راشد وغیرہ کہ ان لوگوں نے مالک ابن انس ابن عینیہ وغیرہ کی طرح ہر سفر و حضر میں زہری کی صحبت نہیں اٹھائی (طبقہ ثالثہ) یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے زہری کی صحبت تو اٹھائی۔ لیکن جرح و تعدیل کے مفترات سے نہ بچ سکے۔ اسی لئے زہری کی حدیثیں ان سے لینے میں تامل ہوا۔ جیسے معاویہ ابن یحییٰ الصدقی اسحاق ابن یحییٰ الکلبی وغیرہ (طبقہ رابعہ) وہ ہے جو اپنی قلت بضاعت یا کمی فہم کی بدولت زہری سے ایسے تفروقات کرنے لگا جو ثقہ اصحاب زہری سے منقول نہ تھے۔ اسی وجہ سے ان کی روایتوں میں بھی اشتباہ واقع ہو گیا، پانچواں طبقہ ضعیف و مجہولین کا ہے۔ ان کی روایتیں تو بالکل ہی ناجائز کر دی گئی ہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ کے شاگردوں کے ان پانچ طبقات میں طبقہ اولیٰ سے اپنی روایتیں کرتے ہیں۔ اور مسلم طبقہ ثانیہ سے بھی اور ابو داؤد و طبقہ ثالثہ سے بھی اور ترمذی طبقہ رابعہ سے بھی لیکن بمصالح خاصہ امام بخاری بھی کبھی طبقہ ثانیہ سے اور مسلم طبقہ ثالثہ سے اور ابو داؤد و مشاہیر طبقہ رابعہ سے روایتیں کر لیتے ہیں۔ اس لحاظ سے امام بخاری کی تخریج کی ہوئی حدیثیں زیادہ صحیح اور قابل قبول ہیں بعضوں نے صحیحین کے شرائط میں یہ بھی بیان کیا ہے۔ کہ ان کی روایتیں صرف ایسے ہی راویوں سے ہونی ہیں۔ جو اہل الحدیث مشہور تھے۔ اور جنہوں نے علم حدیث باضابطہ حاصل کیا تھا۔ مجہول راوی را اگرچہ وہ جہالت تامہ نہ رکھتے ہوں، سے نہیں کہیں ہیں۔ اور اکثر اگلوں کا یہی مقولہ تھا۔ عبد الرحمن ابن عون کہتے ہیں۔ اسی شخص سے علم حدیث لینا چاہیے جس نے اسے حاصل بھی کیا ہو۔ اور امام مالک کا مقولہ بھی یہی ہے۔ چنانچہ امام مسلم نے اپنے مقدمہ میں لکھا ہے کہ ابو الزناد کہتے ہیں۔ کہ مدینہ میں میں نے سو ثقہ اور متقی دیکھے ہیں۔ لیکن ان میں سے کسی سے بھی علم حدیث نہیں حاصل کیا جاتا تھا۔ لوگ کہتے تھے۔ یہ اس کے اہل نہیں۔ اس موقع پر حافظ ابن حجر نے یہ لکھا ہے۔ کہ ظاہر امیر اخیال بھی یہی ہے۔ کہ صحیحین نے راویوں کے اندر اس خاص



شرط کا لحاظ رکھا ہے۔ لیکن وہ حدیثیں جن کے طرق بہت ہیں۔ ان میں کا اگر کوئی راوی اس شرط پر پورا نہ اتر سکا تو اسکی وجہ سے یہ نہیں کہا جائیگا۔ کہ صحیحین نے اس شرط کا لحاظ نہیں رکھا۔

نبی ابن طاہر کا خیال ہے۔ کہ بخاری اور مسلم کی شرطوں میں ایک شرط یہ بھی ہے۔ کہ وہ ایسے ہی راویوں سے روایتیں کرتے ہیں۔ جو سلسلہ بسلسلہ صحابی تک باجماع امت ثقہ و عادل و ضابط ہوں،

عراقی نے اس پر جرح کی اور دکھایا کہ بخاری اور مسلم کے بہترے راوی ایسے ہیں۔ جن پر سنائی نے جرح کی ہے۔ بعضوں نے اس کا جواب یہ دیا۔ کہ ہاں بخاری اور مسلم نے ان کے زبانی تک جو متفق علیہ ثقہ راوی تھے۔ ان سے روایتیں کیں ہیں۔ بخاری اور مسلم کے بعد اگر ان کے ثقہ ہونے میں اختلاف واقع ہو گیا۔ تو اسکی ذمہ داری ان پر نہیں، لیکن جواب کی یہ صورت اس وقت درست ہو سکتی ہے۔ جب یہ واضح ہو جائے۔ کہ معترضین نے صحیحین کے راویوں پر صرف اپنے معاصرین یا ذاتی اجتہاد سے جرح کی ہے۔ لیکن اگر بخاری اور مسلم کے قبل کے محدثین سے بخاری اور مسلم کے راویوں کی عدم توثیق دکھائی جائے۔ تو یہ دلیل نہیں چل سکتی، الا ماشاء اللہ اگر یہ کہا جائے۔ کہ ابن طاہر کے بیان کا مطلب یہ ہے۔ کہ ان امامین نے تخریج کا اصول یہی قائم کیا ہے۔ لیکن اگر کسی ایسے راوی سے جو متفق علیہ ثقہ نہ ہو کچھ روایتیں لے آئے ہیں۔ تو وہاں ان کے نزدیک کوئی وجہ راجح پیدا ہو گئی ہے۔ حافظ سیوطی نے تو شیخ میں بخاری کے شروط اور اس کتاب کے موضوع کے متعلق ایک بحث لکھی ہے۔ اس میں وہ لکھتے ہیں۔ کہ بخاری کی کسی کتاب سے ان کے شروط کا پتہ نہیں لگتا۔ اور نہ کہیں۔ انہوں نے صراحتاً کچھ بیان کیا ہے لیکن خود ان کی کتاب کے نام سے۔ نیز بعض دیگر قرائن سے بعض شرطوں کا پتہ لگتا ہے۔ سب سے پہلی بات تو یہ ہے۔ کہ امام نے اپنی اس کتاب کا نام "الجماع الصحیح" من امور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رکھا ہے۔ اس سے پتہ لگتا ہے۔ کہ اس میں



صرف صحیح ترین حدیثیں ہی بیان کی جائیں گی۔ اور یہ کہ ہر طرح کی حدیثیں ہونگی۔ احکامی ہوں۔ فضائل کی ہوں۔ اجباراً ماضیہ آداب و رفاقت ہوں۔ یعنی جن کی سندیں با اتصال نام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچیں گی۔ سب بیان کر دی جائیں گی۔ کیونکہ جامع کے لفظ سے پتہ لگتا ہے۔ کہ یہ کتاب ہر قسم کی احادیث کی جامع ہوگی۔ اور صحیح سے پتہ چلتا ہے۔ کہ وہ ساری کی ساری حدیثیں صحیح ہونگی۔ سند سے یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک سب بالکل درست اور مستعمل ہوگی۔ اگرچہ اس میں آپ کا قول فعل عمل جو کچھ بھی بیان کیا جائے۔ بعض حدیثوں کی صحت پر لوگوں نے کلام کئے ہیں۔ لیکن سب کے جواب دیئے گئے ہیں۔ اور خود ایام بخاری کا قول ہے۔ کہ میں نے اس کتاب میں حقیقی حدیثیں جمع کی ہیں۔ سب صحیح ہیں۔ لیکن کتاب میں بعض حدیثیں جو اس شرط سے بظاہر باہر نظر آتی ہیں۔ وہ عرضاً و تبعاً آگئی ہیں۔ مقصود اصل نہیں ہیں، یہ اور اسی طرح کے اور مختلف بیانات کا پتہ سیوٹی رام کی کتاب کے ملتا ہے۔ ان تمام بحثوں کے بعد نتیجہ یہ نکالنا پڑتا ہے۔ کہ امام بخاری نے جس زمانے میں یہ کتاب لکھی اس وقت سے لے کر آج تک نفیاً و اثباتاً اس کے متعلق لوگوں نے بڑی بڑی ہوشگاریاں کیں۔ اس سلسلہ میں اس کتاب کے متعلق دو بحثیں اور قابل ذکر ہیں۔ سب سے پہلی بحث تو یہ ہے۔ کہ یہ معلوم ہو چکنے کے بعد کلام بخاری و مسلم کی کتابیں تمام کتابوں میں زیادہ قابل قبول اور صحیح ہیں۔ یہ جاننا باقی رہ جاتا ہے۔ کہ آیا صحیح حدیثوں کا حصر انہیں کے اندر ہو گیا۔ یا اور کتابیں بھی صحیح احادیث کی حامل ہیں۔ دوسرے یہ کہ بخاری اور مسلم کے متعلق، تلفی امت بالقبول کا جو قول منسوب کیا جاتا ہے اس کے کیا معنی ہیں۔ اور علما کے اس کے متعلق کیا خیالات ہیں۔

تو پہلی بحث کا جواب خود انہیں آئمہ کی زبان سے سننا چاہئے۔ امام بخاری فرماتے ہیں۔ کہ میں اپنی اس کتاب میں جو حدیثیں لایا ہوں۔ وہ تو صحیح ہیں۔ لیکن بہت سی صحیح حدیثیں میں نہیں۔ بھی لایا ہوں۔ کیونکہ مجھے اپنی کتاب کے



صحیح ہی نہیں۔ کیونکہ اگر اس تلعفی سے ساری اُمت کی تلعفی مراد ہے۔ تو یہ غلط ہے۔ اس لئے کہ ان کتابوں کے شہرت کا زمانہ زیادہ تر تیسری صدی کے بعد کا ہے۔ جو ائمہ حدیث اور اصحاب مذاہب اور بخاری رحمہ اللہ کے بعد کا زمانہ ہے۔ تو حسب جماع کے اصلی زمانے میں اسکی صحت کی تلعفی کا وجود نہ ہوا۔ اور نہ یہ کہنا صحیح ہوا کہ ساری اُمت اسکو مرتبہ قبولیت بخشا۔ چنانچہ امام داؤد ظاہری رحمہ اللہ اور ان کے متبعین کا خیال یہی ہے۔ کہ وہ اجماع جو عہد صحابہ کے بعد ہو۔ معتبر نہیں۔ اگرچہ امام غزالی نے اپنی کتاب مسطصافی میں اسکی ترویج کی ہے۔ اور تابعین اور ان کے بعد تک اجماع کو معتبر ٹھہرایا۔ لیکن مشکل یہ ہے۔ کہ بخاری و مسلم کی قبولیت کا اجماع تو تابعین کیا۔ تبع تابعین کے بھی بعد معرض ظہور میں آیا ہے۔ اگر آیا ہے۔

بعضوں نے ان جھگڑوں کو چھوڑ کر تلعفی اُمت کے معنی یہ لئے ہیں۔ کہ بیشک صحیح ہے۔ کہ حدیث کی ساری کتابیں اس تلعفی میں داخل ہیں۔ لیکن بخاری و مسلم کی حدیثوں کو اور حدیثوں پر فضیلت ہے۔ کیونکہ اس کے مصنفین اپنی جلالت شان واقفیت حدیث درجہ اول میں تمام دیگر مصنفین سے افضل ہیں۔ نیز ان کی تخریج کردہ حدیثوں کے راوی دوسری کتابوں کے راویوں سے زیادہ ثقہ اور عادل ہیں۔ اور یہی معنی ہیں۔ تلعفی اُمت کے اس حیثیت سے اُمت میں بجز بخاری و مسلم کے اور کوئی کتاب بھی مقبول نہ ہو سکی۔

بعضوں نے سرے سے اس کا انکار کر دیا۔ اور کہا بخاری و مسلم کو دیگر کتب حدیث پر کوئی فضیلت نہیں۔ اور یہ تزیح بلا مرجح ہے۔ لیکن محدثین کے نزدیک یہ مذہب بالکل ضعیف ہے، الفرض امام بخاری رحمہ اللہ کی کتاب پر اسلام کے تین اصولی گروہ متکلمین، نختہا، محدثین کے اعتراضات ہیں۔ محدثین کے اعتراضات تو سند پر ہیں۔ اور متکلمین و فقہاء کے متوں پر لیکن بلاشبہ اُمت کی جس اعتنا کا شرف بخاری کو حاصل ہوا۔ وہ حدیث کی اسی کتاب کو حاصل نہ ہوا۔ اور یہ ایسا شرف ہے۔ جس سے انکار مکابرہ ہے۔ ذلک فضل اللہ یؤتی من یشاء، بخاری کی شرحیں تقریباً چالیس بیالیس کے قریب لکھی گئیں۔ لیکن چار شرحیں



بہت مشہور ہیں۔ ابن تین، ابن بطلال، عینی، فتح الباری، عینی اپنی خصوصیات میں بے مثل ہے۔ اور فتح الباری تو کیا کہنا بقول شوکانی کا *مختصر الفتح*۔  
**مختصر بخاری** { مختصر الامام جمال الدین احمد عمر الانصاری القزلبی المتوفی ۵۱۵ھ  
 مختصر بدر الدین حسن ابن اعلیٰ المسی ارشاد اساری و القاری المتوفی ۶۸۹ھ مختصر حسین  
 ابن مبارک الزبیدی المتوفی ۸۹۳ھ اس کو اسانید سے مجرود رکھا ہے۔ اور نام  
 التجرید الصریح الاحادیث الجامع الصحیح رکھا ہے۔ اسکی ایک مبسوط شرح  
 نواب صدیق حسن خاں صاحب بھوپالی نے کی ہے۔ اور دوسری عبدالعزیز قادری

## رجال بخاری کے متعلق تصنیفیں

اسماء رجال البخاری للشیخ الامام احمد بن محمد الکلابادی المتوفی ۳۹۸ھ کتاب  
 التعديل والتجریح لابن الولید سلیمان ابن خلف الباجی المتوفی ۶۶۴ھ اور الافہام  
 بما وقع فی البخاری من الابهام لجمال الدین عبدالرحمن ابن عمر البلقیسی المتوفی ۸۲۴ھ

## صحیح مسلم

اس کے مصنف امام ابو الحسن مسلم ابن حجاج القشیری ہیں۔ یہ صحاح ستہ کی  
 دوسری کڑی ہے۔ اور عام محدثین کے نزدیک بخاری کے بعد کا مرتبہ رکھتی ہے  
 لیکن حسین ابن علی ایسا پوری کا خیال ہے۔ کہ آسمان کے نیچے مسلم سے زیادہ صحیح کتاب  
 کوئی نہیں ہے۔ اور اکثر مغاربہ کا بھی یہی خیال ہے۔ بعضوں نے اس کے معنی یہ لئے  
 ہیں۔ کہ ابن علی کا یہ قول۔ کہ مسلم سے زیادہ صحیح کتاب کوئی نہیں ہے۔ اس کے یہ



معنی نہیں ہیں۔ کہ اور کوئی کتاب مسلم جیسی صحیح نہیں۔ بلکہ یہ معنی ہیں۔ کہ مسلم سے زیادہ صحیح کوئی کتاب نہیں۔ جائز ہے۔ کہ مسلم کے برابر صحیح کوئی کتاب ہو۔ لیکن اس معنی کے لیے ہونے بھی بخاری کی فضیلت نہیں ثابت ہوئی۔ کیونکہ دعویٰ تو یہ ہے کہ بخاری مسلم سے افضل ہے۔ بعضوں نے ابو علی کے قول کے یہ معنی لئے ہیں۔ کہ ابو علی نیشاپوری نے مسلم کو سلامت و ندرت اسلوب کے لحاظ سے افضل کہا ہے صحت کے اعتبار سے نہیں۔ لیکن اس تاویل کی بھی گنجائش ان کے اس صریح قول میں نہیں ہے۔ بعضوں نے یہ تاویل کی ہے۔ کہ شاید بخاری ان تک نہ پہنچی ہو۔ لیکن یہ بہت مضحکہ خیز بات ہے۔ اس سے تو یہ ثابت ہوتا ہے۔ کہ بخاری بہت غیر مشہور تھی۔ اور ایک جلیل القدر محدث کو نہیں پہنچی۔ حالانکہ شیخ ابن علی بخاری کے بہت بعد ہیں۔ اور اس وقت بخاری پوری طرح شائع ہو چکی تھی، اب رہے۔ بعض علما متعارفہ تو ان کے اقوال بھی مسلم کی فضیلت پر دلالت کرتے ہیں۔ مگر اس کی بھی یہی تاویل کی جاتی ہے۔ کہ صحت کے لحاظ سے انہوں نے اسے افضل نہیں کہا ہے۔ بلکہ سلاست بیان حسن ترتیب کے لحاظ سے افضل کہا ہے۔ چنانچہ قاسم مجیبی نے فہرست میں لکھا ہے۔ کہ ابو محمد ابن حزم "بخاری" پر مسلم "کو فضیلت دیتے ہیں۔ اس لئے کہ مسلم میں خلیفہ کے بعد ہی حدیث شروع کر دی گئی ہے۔ یعنی ابن حزم بھی اس کو اس لئے افضل مانتے ہیں۔ کہ اس میں بخاری کی طرح موقوف و مرسل حدیثیں اور ثقافے نہیں ہیں۔ بلکہ صرف مرفوع حدیثیں ہیں۔ اسی طرح مسلم بن قاسم القزطبی جو دارقطنی کے معاصر ہیں۔ انہوں نے بھی مسلم کے متعلق کہا ہے۔ کہ ایسی کتاب اسلام میں نہیں لکھی گئی۔ اس کی بھی توجیہ یہی کی جاتی ہے۔ کہ انہوں نے سلاست روانی حسن ترتیب کے لحاظ سے افضل کہا ہے۔ لیکن یہ بات ضرور قابل غور ہے۔ کہ شیخ ابن علی رح اور منارہ کے ان اقوال میں ہر جگہ یہ تاویل چسپان نہیں ہے۔ شیخ حسین ابن علی انیساپوری کے اس جملے سے کہ آسمان کے نیچے مسلم سے زیادہ کوئی صحیح کتاب نہیں" یہ نتیجہ کیسے نکلا۔ کہ بخاری مسلم سے افضل ہے۔ پھر ابن حزم کے قول



سے یہ نتیجہ نکالنا بھی درست نہیں۔ کہ وہ مسلم کو بخاری سے افضل نہیں مانتے۔  
 کیونکہ شاذ و نادر مسلم میں بھی اقوال سلف موجود ہیں، چنانچہ منارہ پر ابراہیم صحیح مسلم کو معتمد علیہ  
 مانتے رہے۔ اور مشہور محدث عبدالحق زہری نے اپنی کتاب - کتاب احکام میں مسلم  
 پر ہی اعتماد کیا، بخاری کی موجودگی میں مسلم پر اعتماد کرنا اور اس سے احکامی حدیثیں لینا  
 کچھ معنی رکھتا ہے۔ اور اکثر منارہ نے ایسا کیا، ان کی اس رائے کی صحت عدم صحت  
 سے سروست ہمیں بحث نہیں۔ لیکن یہ بات دل کو لگتی ہے۔ کہ اگر وہ بخاری سے مسلم  
 کو افضل نہیں۔ تو کمتر بھی نہیں سمجھتے تھے، حافظ ابن حجر نے مقدمہ فتح الباری میں لکھا  
 ہے۔ کہ بخاری کو مسلم پر فضیلت ہے۔ اور منجملہ اور وجہوں کے ایک وجہ یہ بھی لکھی  
 ہے۔ کہ بخاری نے راویوں کے جانچ پڑتال کے لئے جو شرائط مقرر کئے ہیں۔ وہ  
 مسلم رحمہ کے شروط سے زیادہ قابل و ثوق ہیں۔ کیونکہ امام بخاری رحمہ کے نزدیک  
 صرف معاصرت کافی ہے۔ لہذا کابوت ضروری نہیں ہے۔ چنانچہ خود امام مسلم  
 نے اپنے مقدمہ میں اپنی اس شرط کا ذکر کیا ہے۔ اور امام بخاری رحمہ پر شدید نکتہ چینی  
 کی ہے۔ کہ وہ اپنے اس خیال میں متضرر ہیں۔ سلف میں کوئی بھی ان کی اس رائے کا  
 حامی نہیں ہے۔ امام مسلم فرماتے ہیں۔ اس قاعدہ سے ان کا اعتناء بھی قبول کرنا صحیح  
 نہ ہوگا۔ اور اس شرط کو خرق اجماع سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور صرف راوی و مروی  
 عندہ کی معاصرت کا لحاظ کرتے ہوئے جو روایتیں قبول کی گئی ہیں۔ ان کا ذکر کیا ہے  
 حافظ ابن حجر اور امام نووی نے امام بخاری رحمہ سے اس اعتراض کو دفع کرنے کی  
 کوشش کی ہے۔ لیکن جوابات تشفی بخش نہیں ہیں۔ اولاً تو امام مسلم اس شرط کو  
 کوئی اہمیت ہی نہیں دیتے۔ دوسرے یہ کہ امام نووی نے اس موقع پر علی بن المدینی  
 وغیرہ کو بخاری رحمہ کا ہم مذہب قرار دیا ہے۔ اور صرف بخاری رحمہ کے مؤیدین کے  
 نام گنائے ہیں۔ ان تک اپنی یاد دہری کی روایت سے سند نہیں پیش کی  
 دوسری طرف امام مسلم سے اس کا انکار کرتے ہیں۔ اور بالکل اجماع محدثین  
 کے خلاف بتاتے ہیں۔ اب اہل بصیرت خود فیصلہ کر سکتے ہیں۔ کہ امام مسلم کے



مقابلہ میں شیخ محی الدین نوادی کے قول کو تسلیم کیا جائے۔ یا خود ان کے، حافظ ابن حجر نے صحیح بخاری کی فضیلت کی دوسری وجہ یہ بتائی ہے۔ کہ صحیح بخاری و صحیح مسلم کے راویوں میں، عدالت، ضبط، اتقان کا بھی بہت فرق ہے۔ کیونکہ بخاری کی پوری کتاب میں صرف اسی راوی مجروح ہیں۔ اور مسلم کے ایک سو ستر، نیز بخاری میں اور دوسرے فوائد بھی ہیں۔ مثلاً جاہل فقہی مسائل کا استنباط، حکم و معارف کی باتیں اور مسلم میں ایسا نہیں، اگرچہ انہیں یہ بھی اعتراف ہے۔ کہ مسلم ندرت ترتیب حدیث اسلوب سہولت و بیان کے لحاظ سے بخاری سے افضل ہے۔ مسلم شریف کے متعلق دیگر بحثیں بخاری شریف کی تفصیل کے سلسلہ میں آچکی ہیں۔ مسلم کی کتاب صحیح مسلم چار ہزار حدیثوں کا مجموعہ ہے۔ اور مکررات ملا کر سات ہزار دو سو پچھتر حدیثیں ہیں۔

## شرح مسلم

المہناج للمحقق الامام ابی ذکریا یحییٰ بن شرف النوادی الشافعی المتوفی ۶۵۶ھ  
شرح ابوالفرج عیسیٰ بن مسعود الزواوی المتوفی ۶۵۶ھ اکمال المعلم للامام ابی  
عبد اللہ محمد بن خلیفہ الابی المالکی المتوفی ۸۰۴ھ جس کے ضمن میں مازری، قاضی  
عیاض، قرطبی، نوادی سب کی شرحیں آگئی ہیں۔ اور بعض نئی باتیں بھی ہیں۔  
الابتنہاج للشیخ احمد بن محمد الخطیب القسطلانی المتوفی ۶۸۹ھ اس کا نصف حصہ  
تقریباً آٹھ جلدوں میں ختم ہوا۔ شرح شیخ ملا علی قاری الرومی الحنفی تیرہ مکہ المکرر  
پانچ جلدوں میں۔

## مختصرات مسلم

تلخیص کتاب و شرحہ لاحمد ابن عمر القرطبی المتوفی ۶۵۶ھ مختصر الامام ذکی الدین  
عبد العظیم المنذری المتوفی ۶۵۶ھ مختصر زوائد مسلم علی البخاری سرانح الدین عمر بن







## مستخرجات صحیحین

استخراج کے معنی یہ ہیں۔ کہ کسی خاص حدیث کی کتاب میں مثنوی حدیثیں ہیں۔ ان کے تمام طرق اپنی سند کے ذریعہ جمع کر دئے جائیں۔ مثلاً بخاری کی حدیثوں کے جتنے طرق ہیں۔ ان کو کوئی محدث اپنی سند سے جمع کر دے۔ جس میں بخاری کے شیوخ یا شیخ کے شیخ میں جا کر متصل ہو، بعضوں نے روایت کی عدالت کا بھی لحاظ رکھا ہے۔ اور بعضوں نے رعایت نہیں کی۔ اور کسی ایک حدیث کے جتنے طرق بھی ان کی اپنی سند سے بھل سکتے تھے۔ بعضوں سے اس کی روایت کی۔ حافظوں کی ایک جماعت نے تخریجیں کی ہیں۔ جن میں زیادہ تر صحیحین کے امدادیت کی تخریجیں ہیں۔ کیونکہ یہی دونوں کتابیں اس فن کی بہترین کتابیں ہیں۔ تخریج کا اطلاق کبھی ان حدیثوں پر بھی ہوتا ہے۔ جن کو آئمہ فن اپنی کتابوں میں لاتے ہیں۔ جیسے ہم ابوداؤد کی کسی حدیث کو یوں کہیں۔ کہ اس کی تخریج ابوداؤد نے کی ہے۔

## مستخرجات بخاری

بخاری کے مستخرجات میں مستخرج لابى نعیم احمد بن عبد اللہ الاصبہانی المتوفى ۳۰۳ھ  
مستخرج لابی بکر احمد بن ابراہیم الاسہالی المتوفى ۳۰۳ھ مستخرج لابی بکر احمد بن محمد البرقانی  
شیخ الفقہاء والمحدثین المتوفى ۳۲۵ھ ہیں۔

## مستخرجات مسلم

صحیح مسلم کے مستخرجات میں، مستخرج احمد بن سہمان النیسابوری المتوفى ۳۱۱ھ  
تخریج ابی عوامہ الاسفرائینی المتوفى ۳۱۳ھ، تخریج ابی نصر الطوسی المتوفى ۳۲۷ھ،  
سند المستخرج للمحافظ ابی نعیم الاصبہانی المتوفى ۳۱۱ھ



استخراج کے فوائد بہت ہیں۔ ایک تو یہ کہ متن حدیث میں جو زیادتیاں ہوتی ہیں۔ ان کا پتہ لگتا ہے۔ دوسرے یہ کہ علو اسناد بھی ہوتا ہے۔ کیونکہ کسی روایت کا صاحب استخراج کے واسطے سے کرنا اور کسی کا اس کے ہمعصر یا شیوخ سے کرنا دونوں میں فرق ہے۔ اور بسا اوقات جب اصل متعین ہوتی ہے۔ یا کسی راوی کا نام مبہم ہوتا ہے۔ تو استخراج میں مذکور ہو جاتا ہے۔ اور ان مستخرجات کی صحت کا حکم اسی وقت دیا جائیگا جبکہ خود اصل حدیث کی سند جہاں اس نے اصل سے تقابلی ہے۔ صحیح متصل ہو۔

## سنن ابوداؤد

سلیمان ابن اشعث سجستانی کی کتاب ہے۔ علماء حدیث میں اس کا مرتبہ بہت بلند ہے۔ اہل عراق، مصر، مغارب کے مذاہب کی حدیثیں اس میں بہت ملتی ہیں۔ اور ان کی عمدہ علیہ ہے۔ اور صحاح ستہ میں داخل ہے۔ امام ابوسلیمان خطابی معالم السنن میں فرماتے ہیں۔ ابوداؤد بہترین کتابوں میں ہے۔ اور علم دین کے اندر اس سے بہتر کوئی کتاب نہیں لکھی گئی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو قبولیت کا مرتبہ عطا فرمایا۔ اور علما دین مختلف المشارب ہونے کے باوجود اس کو حکم مانتے رہے۔ اور یہ ہر کے لئے بطور سند و دلیل بنی رہی۔ ابوداؤد رحم فرماتے ہیں۔ میں اپنی کتاب میں ایسی کوئی حدیث بھی نہیں لایا۔ جو بالاجماع متروک ہو۔ اس کے اندر صحیح بھی ہیں اور حسن بھی، اگر کسی حدیث میں خرابی ہے۔ تو اس کو بھی میں نے بیان کر دیا ہے۔ اور جس میں سکوت کرتا ہوں۔ وہ صالح ہوتی ہے۔ لیکن مراتب صحت میں ترقی ہوتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی حدیث باقی نہیں رہ جاتی۔ جو اس میں نہ ہو اور قرآن کے بعد میں اس کتاب سے زیادہ ضروری اور کسی کتاب کو نہیں سمجھتا۔ اس کتاب کے بعد پھر کسی کتاب کے لکھنے یا پڑھنے کی ضرورت نہیں باقی رہتی



یہ کتاب احکامی حدیثوں کی حیثیت سے مشہور ہے۔ اس میں مراہیل کی کثرت ہے اور مراہیل سے اجتماع دو سو صدی تک ہوتا رہا ہے۔ امام شافعی سے قبل تمام اگلے فقہاء و محدثین اس سے اجتماع کرتے تھے۔ اور ان کے مذاہب کی تیبیا و زیادہ تراہیں پر تھی۔ یہ تصریح انہوں نے اپنے اس رسالہ میں کی ہے جسے اہل مکہ لڑاواہ اللہ شرفاً کے نام لکھا تھا۔

## شرح و مختصرات

اس کی متعدد شرحیں لکھی گئیں۔ امام خطابی نے معالم السنن میں اس کی شرح کی ان کے علاوہ قطب الدین ابوبکر الیمینی الشافعی نے چار بڑی جلدوں میں اور ابو ذرہ احمد بن عبدالرحیم العراقی نے سات جلدوں میں صرف باب سجود السہو تک کی شرح کی، اور صحیحین سے جو زیادہ حدیثیں تھیں۔ اس کی شرح ابن الملقن نے کی۔ ایک شرح شہاب الدین رملی نے بھی کی ہے۔ یہ عبدالبن عیثی نے بھی ابو داؤد کی ایک شرح لکھنی شروع کی تھی۔ لیکن پایہ تکمیل کو نہ پہنچی۔ موجودہ دور میں ہندوستان میں بھی ابو داؤد کی شرحیں لکھی گئیں۔ جن میں مولانا خلیل احمد سہارنپوری مرحوم اور مولانا شمس الحق ڈیناوی مرحوم کی شرحیں بہت کارآمد ہیں۔

## سنن ابو عیسیٰ الترمذی

یہ کتاب بھی حدیث کی صحیح اور معتبر کتابوں میں ہے۔ امام نے جب اپنی یہ کتاب لکھی۔ تو پہلے اسے علماء حجاز، عراق، خراسان کے سامنے پیش کیا۔ سہولت سے



اس کو پسند کیا۔ اور اس کی صحت کی سند دیدی۔ فرماتے ہیں۔ کہ میں جو حدیث بھی اپنی کتاب میں لایا ہوں۔ اس پر کسی نہ کسی فقہ کا عمل ضرور رہا ہے اسی وجہ سے وہ تمام قابل احتجاج حدیثیں لے آئے ہیں۔ اور ان کے نزدیک جو صحیح تھیں۔ اسے صحیح اور جو ضعیف تھیں۔ اسے ضعیف کر دیا ہے۔ اور جو حدیث جس فقہ کا معمول ہے۔ اسی سے آگاہ کر دیا ہے۔ اور معمول و منسوک حدیثیں بھی بتادی ہیں۔ اسی لئے ان کی کتاب بڑی فائدہ مند اور ذوق نفع ثابت ہوئی ہے۔ اور بڑی خوبی یہ ہے۔ کہ مکررات بھی بہت تھوڑے ہیں۔ اس کی شرحیں متعدد ہیں۔

## شرح و مختصرات

حافظ محمد ابن عبدالداشینی المعروف بابن العربی المالکی نے ایک مشرح "عارضہ الاحوذی فی شرح الترمذی" کے نام سے کیا ہے۔ حافظ محمد ابن محمد شافعی نے تقریباً ترمذی کے ثلث تک کی ایک شرح دس جلدوں میں کی تھی۔ لیکن تکمیل نہ کر سکے۔ اور زین الدین عبدالرحیم ابن حسین عراقی نے اس کی تکمیل کی، عبدالرحمن ابن احمد الخبیلی نے اس کی ایک شرح بیس جلدوں میں لکھی۔ جو ایام فتن میں جل کر خاکستر ہو گئی۔ نیز سیوطی، سندی، نے بھی شرحیں کیں۔ اور اس کے زوائد علی الصحیحین کی شرح عمر ابن علی ابن الملقن نے کی۔ ایک شرح ابن سید الناس نے لکھی۔

مختصرات میں ابجام نجم الدین محمد ابن عقیل، اور مختصر ابجام بنجم الدین سلیمان ابن عبدالقوی الطوفی الخبیلی ہیں۔

## سنن نسائی

یہ کتاب عبدالرحمن بن شعیب النسائی کی تصنیف ہے۔ انہوں نے اس قسم کی دو سننیں لکھی تھیں اور مشہور یوں ہے۔ کہ جب سنن کبریٰ لکھی۔ تو اسے



امیر رملہ کے پاس ہدیہ بھیجا۔ امیر نے دیکھا اور کہلا بھیجا۔ کہ کیا اس کی سب حدیثیں صحیح ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ صحیح۔ حسن۔ اور اسی کے لگ بھگ ہیں، امیر نے کہا کہ صحیح حدیثیں ہمارے لئے چن دو۔ آپ نے اپنی سنن صغریٰ لکھ کر اس کے پاس بھیج دی۔ اور اس کا نام مجتبیٰ رکھا۔ سنن کبریٰ ایسی حدیثوں کا مجموعہ تھی۔ جن کے راوی ضعیف، قلیل العدالہ تھے۔ لیکن سنن صغریٰ "یعنی مجتبیٰ" ایسی نہیں ہے۔ اسی لئے بعض کے نزدیک صحیحین کے بعد کا مرتبہ سنن صغریٰ للنسائی ہی کو دیا جاتا ہے۔ کیونکہ صحیحین کے بعد اس سے زیادہ صحیح اور کوئی کتاب نہیں۔ والعلم عند اللہ، سنن نسائی جب بولی جاتی ہے۔ تو اس سے مراد امام نسائی کی ہی سنن صغریٰ مجتبیٰ ہوتی ہے۔

سراج الدین بسکی "فہمی" اور اپنے والد تقی بسکی سے روایت کرتے ہیں۔ کہ نسائی امام مسلم سے زیادہ احتفظ ہیں۔ اور صحیحین کے بعد نسائی ہی ایک ایسی کتاب ہے جس میں سب سے کم ضعیف حدیثیں ہیں۔ وَاللَّهُ اعْلَمُ

## تشریح

اس کی ایک بہتر شرح جلال الدین سیوطی اور دوسری عبد الہادی سندھی نے کی ہے۔ صحاح ستہ کی شرحوں میں ابوالحسن محمد بن عبد الہادی السنذی الخنقی کی شرحیں، سیوطی کی شرحوں سے وسیع اور مفید تر ہیں۔ اور صحیح سے زیادہ حصہ کی شرح سراج الدین عمر بن الملقن الشافعی نے کی ہے۔ جس طرح ابوداؤد اور ترمذی کے زوائد کی شرحیں کی ہیں۔

## سنن ابن ماجہ

محدث بزیدان ماجہ القزوینی کی تصنیف ہے۔ بعضوں نے اسے صحاح



سے خارج کیا ہے۔ ان کے نزدیک صحاح میں یہی پانچ کتابیں ہیں۔ جو ذکر کی گئیں اور سب سے پہلے اس خیال کے عملی جامہ پہنانے والے ابو طاہر مقدسی ہیں۔ اس کے بعد حافظ عبدالغنی نے ان کی تائید کی ہے۔ لیکن موطا مالک پر پھر بھی اس لئے مقدم رکھا ہے۔ کہ اس میں حدیث کی ان پانچوں کتابوں کے علاوہ جتنے زوائد ہیں۔ وہ موطا میں نہیں، اور ابن ماجہ کی جگہ بعضوں نے دارمی کو دی ہے۔ کیونکہ ضعیف روایت اور احادیث شاذہ منکرہ اس میں بہت نشوونما ہے۔ اور بعضوں نے چھٹی کتاب موطا کو قرار دیا ہے۔ زین السرقطی مجد ابن الاثیر اسی طرف گئے ہیں۔

## تشریح

علماء و حدیث نے ابن ماجہ کی بھی متعدد تشریحات لکھی ہیں۔ محمد بن موسیٰ الدمیری الشافعی نے پانچ جلدوں میں اس کی ایک تشریح لکھی۔ لیکن تکمیل نہ کر سکے اور ابراہیم ابن محمد الجلبی نے اس کی تکمیل کی۔ جمال الدین سیوطی، سندی حنفی نے بھی تشریحیں ابن الملقن نے کتب خمسہ کے زوائد کی تشریح آٹھ جلدوں میں کی۔ اس کا نام ماتمسس الیہ الحاجۃ علی سنت ابن حبان رکھا اور اسحاق الحاجۃ تشریح ابن ماجہ کے نام کے ساتھ عبدالغنی المجدوی نے ایک تشریح لکھی۔

## صحاح ستہ کے علاوہ حدیث کی اور صحیح کتابیں

واضح رہے کہ کتب ستہ کے علاوہ بھی ایسی کتابیں لکھی گئیں جن پر صحیح کا اطلاق ہوتا ہے۔ اور وہ اسی نام سے پکاری جاتی ہیں جن کی تفصیل یہ ہے۔  
صحیح ابن خزیمہ، صحیح ابن حبان، صحیح ابو عوانہ، صحیح المنتقی لابن سکین، صحیح المنتقی فی الاحکام لابن الجارود، صحیح المنتقی فی الآثار لفاسم ابن الصبیح، محدث اللاندین وغیرہ۔



# مُسْنَدُ الْإِمَامِ أَحْمَدَ بْنِ حَنْبَلٍ

مُسْنَدُ إِمَامِ أَحْمَدَ بْنِ حَنْبَلٍ عِلْمُ حَدِيثِ كِي بَهْتِ اَعْلَى كِتَابُ فِي سِي هِي - اَوْرَ تَقْرِيبًا  
 چالیس ہزار حدیثوں کا مجموعہ ہے۔ جس میں دس ہزار مکرر ہیں۔ اور تقریباً تیس سو  
 حدیثیں ایسی ہیں۔ جو تین واسطوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتی  
 ہیں۔ جن کو ثلثیات کے نام کیساتھ موسوم کیا جاتا ہے مسند حدیثوں کی جانچ پر تالی  
 کے لئے میزان ہے۔ امام احمد کی روایت کی بنا پر اس میں کوئی ضعیف حدیث نہیں  
 آپ فرماتے ہیں۔ میں نے ساری کی ساری حدیثیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں جمع کر دی ہیں۔  
 اور حدیث اس میں نہ پاؤ اسے بے اصل سمجھو۔

لیکن نہیں کہا جاسکتا۔ کہ امام کا یہ قول کس موقع کے لئے تھا۔ یا ہم تک  
 اس کے پہنچنے میں کتنی الٹ پھیر واقع ہوئی ہے۔ مگر یہ یہ ہے کہ امام نے صرف یہ فرمایا ہوگا۔  
 اس میں جتنی حدیثیں ہیں۔ سب کی اصل ہے کیونکہ صحیحین میں بہت سی حدیثیں  
 ہیں۔ جو مسند میں نہیں ملتیں۔ لیکن ان باتوں کے باوجود ہمارے سامنے جو نسخی  
 مسند ہے۔ اس کے اندر بہت ضعیف حدیثیں ہیں۔ ابن جوزی نے اپنی موضوعات  
 میں مسند کی پندرہ ایسی حدیثیں گنائیں ہیں۔ جن کو وہ موضوع تصور کرتے ہیں  
 اور حافظ العراقي نے بھی ۹ حدیثیں ایسی بیان کی ہیں جو متہم بالوضع ہیں۔ لیکن  
 حافظ ابن حجر نے ایک رسالہ القبول المسند فی الذاب عن احمد  
 لکھ کر اس کی ترویج کی ہے۔ اور اپنی کتاب تجییل المنفعة بحال ۲۱۱ اس باب  
 میں مسند کی تمام حدیثوں کو بااصل قرار دیا ہے۔ لیکن باہم ہمہ کہ وکادش انہیں



بھی اس کی تین یا چار حدیثوں کے بے اصل ہونے کا قائل ہونا پڑا ہے۔  
 اصل یہ ہے۔ کہ گو مندر احمد کی تالیف خود امام نے کی۔ لیکن ابھی مسودہ ہی  
 تھا۔ کہ امام نے وفات پائی۔ اور ان کے صاحبزادہ حضرت عبداللہ نے جو افسوس  
 کہ اس میدان کے شہسوار بنے۔ اس کی تبیین و ترتیب فرمائی۔ جس سے بعض نمایاں  
 نقص رہ گئے۔ اور مدنی و عراقی مسندیں تخلیط ہو گئی، اور صحیح احادیث کا التزام بھی  
 قائم نہ رہ سکا۔ گو خود امام احمد کو اس کا دعویٰ تھا۔

## شروع و مختصرات تعالین

مسند کی ایک شرح ابو الحسن ابن عبدہامادی السندی نے کی ہے۔ اور  
 اُس کا اختصار زین الدین عمر ابن شجاع الجلبی نے جس کا نام الدر المنقذ رکھا۔ اور  
 ایک اختصار سراج الدین عمر بن علی المعروف بابن الملقن الشافعی نے کیا اور  
 سیوطی نے اس پر ایک تعلیق کی۔ جس کا نام عقود الزبرجد رکھا۔  
 دہماریے ماموں حضرت مولانا شاہ حسن میاں پھلواری رحمۃ اللہ نے مسند کا ترجمہ  
 الباب لکھنا شروع کیا تھا۔ جو دنیا کی عجیب چیز ہوتی۔ لیکن افسوس کہ آپ کی عمر وفا  
 نہ کی۔ اور کام شروع ہی ہوا تھا۔ کہ پیک اجل کو پیک کہنا پڑا۔

## کتاب الامم

دنیائے اسلام جن چار فقہوں پر کار بند ہے۔ ان میں ایک امام شافعی  
 کی فقہ ہے، امام شافعی اپنی عظمت کے لحاظ سے جو مرتبہ رکھتے ہیں۔ اس کے  
 اظہار کی ضرورت نہیں۔ لیکن ان کی یہ کتاب جو ایک زمانہ تک عام نظروں سے  
 پوشیدہ رہی ہے۔ اُس کا اظہار ضروری ہے، امام کی یہ کتاب ان کے اجتہادی  
 مسائل کا ایک مجموعہ ہے۔ جو ان کے شاگرد بوہلی کی جمع کردہ ہے۔ لیکن اس کی



کی تبویب و ترتیب ابوالبریع ابن سلیمان المرادی نے کی۔ اور یہ انہیں کی طرف منسوب ہو گئی۔ ورنہ درحقیقت یہ بولطی کا تصنیفی نسخہ ہے۔ اور انہیں کی کاوشوں اور دیدہ ریزیوں سے عالم وجود میں آیا ہے۔ اس کتاب سے جہاں امام شافعی کی وسعت معلومات و دقت نظر کا پتہ چلتا ہے۔ وہاں علم حدیث کے بہت سے رموز بھی حل ہوتے ہیں، امام نے اپنی اس کتاب میں علم حدیث پر بڑی عالمانہ بحثیں کیں ہیں۔ اور مراسیل و منقطعات کے اخذ میں کیا احتیاط چاہئے۔ اگلوں نے عدم احتیاط سے کیا نقصان اٹھائے۔ مراسیل پر عمل کی وجہ سے کتنے مرفوعات پر وہ خفایں رہ گئے۔ اور ان پر عمل نہ ہو سکا۔ نیز وہ حدیثیں جو صدر اول میں عام طرح پر شائع نہ تھیں۔ اور صحابہ اور اہل تابعین کے جو اقوال و روایات نہ ہو سکے۔ اور بعد میں مدون ہوئے۔ جس سے بہت سے نئے مسائل معلوم ہوئے ان چیزوں کی خوب وضاحت کی ہے۔ اور اس سے بھی بحث کی ہے کہ بعض صحیح حدیثیں علما تابعین تک نہیں پہنچیں۔ اس لئے انہوں نے اجتہاد سے کام لیا۔ اور اس میں غلطیاں ہوئیں۔ اور تابعین سے بعض غلطیاں اس لئے بھی ہوئیں کہ ساری حدیثیں ان کے وقت میں اکٹھی نہ ہوئی تھیں۔ اس لئے اجتہادات میں خلل پڑ جاتا تھا۔ اسی طرح کے اور بہت سے مفید خیالات ہیں۔ جن سے امام نے اپنی اس کتاب کو زینت دی ہے۔ الغرض ان کے نقطہ نظر سے حدیث کے لئے جو چیزیں ضروری تھیں۔ سب کا بیان اس میں موجود ہے۔ ان خصوصیات کے لحاظ سے یہ کتاب فقہ و حدیث کی اہم کتاب میں شمار کی جاتی ہے۔ اور اس سے مطلع ہونا ہر اہل علم کے لئے ضروری ہے۔

## سُذْنِ دَارِمِي

امام عبداللہ ابن عبدالرحمن الدارمی المتوفی ۲۵۵ھ کی تصنیف ہے۔



اور علم حدیث کی موثق کتابوں میں ہے۔ یہاں اس کے ذکر کرنے سے مقصود یہ ہے۔ کہ یہ سنن بھی اس پایہ کی سمجھی گئی ہے۔ کہ بعضوں نے اس کو ابن ماجہ کی جگہ دی ہے۔ اور صحاح ستہ میں داخل کیا ہے۔ اس میں ضعیف حدیثیں بہت کم ہیں۔ اگرچہ مراسیل و منقطعات بہت ہیں۔ بعض محدثین کے نزدیک ابن ماجہ کی جگہ دارمی کو دی گئی ہے۔ کیونکہ بعض اقوال کی بنا پر ابن ماجہ کی ہر وہ حدیث جو کتب خمسہ کے علاوہ ہے۔ ضعیف ہے۔ اگرچہ حافظ ابن حجر نے اس کی تردید کی ہے۔ اور تقریباً ابن ماجہ کے تمام زوائد صحیح ثابت کئے ہیں۔

## صحیحین کے قبل سنن کے نام سے جو کتابیں مشہور ہوئیں

سنن ابن جریر، سنن لابن اسحاق (یہ ان کی سیرت کے علاوہ ہے) سنن ابن قرة (یہ حافظ موسیٰ بن طارق الزبیدی ہیں) و سنن عبدالرزاق بن ہمام الصنعانی المتوفی ۲۱۱ھ وغیرہ یہ کتابیں اپنے وجود سے سنن کے ساتھ مشہور ہوئیں۔ اگرچہ عبدالرزاق کی کتاب مصنف کے نام سے بھی مشہور رہی،

## کتاب الاطراف

علم الاطراف کی تعریف پہلے کی جا چکی ہے۔ لیکن مزید اشارے کے لئے پھر بتائی جاتی ہے۔

کسی حدیث کے ایک حصہ یا ایک جزء کو بیان کرنا جس سے اس کے پورے حصہ کا پتہ لگ جائے۔ نیز اس کے پورے ارسانید بالاستیعاب یا بقصد کتب خاصہ جمع کروئے جائیں۔ اسی کا نام علم الاطراف ہے۔

سب سے پہلے ذوالدیبول نے اسکی طرف توجہ کی۔ حافظ ابراہیم ابن محمد بن عبید اللہ دمشقی المتوفی ۳۴۵ھ اور حافظ ابو محمد خلف ابن محمد الواسطی المتوفی ۴۰۰ھ



ان دونوں نے صرف صحیحین (بخاری و مسلم) کے اطراف مرتب کئے۔ جن کو اطراف الصحیحین کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ حاجی خلیفہ کا بیان ہے۔ کہ ترتیب صحت کے لحاظ سے مؤخر الذکر مصنف کی کتاب بہتر ہے نیز اطراف الصحیحین کے نام سے دو کتابیں اور لکھی گئی ہیں۔ جن میں سے ایک کے مصنف حافظ ابو نعیم احمد بن عبد اللہ الاصفہانی المتوفی ۳۲۰ھ اور دوسرے کے حافظ احمد بن علی ابن حجر العسقلانی المتوفی ۸۲۵ھ ہیں۔ ابو محمد خلف کی تصنیف کے بعد دوسری مستند کتب احادیث کے اطراف کی ضرورت محسوس کی گئی۔ چنانچہ حافظ ابو الفاضل محمد ابن طاہر ابن علی المقدسی القیصری المتوفی ۵۰۶ھ نے کتب ستہ کے اطراف مرتب کئے۔ لیکن ان کی یہ کتاب مقبول نہ ہو سکی۔ اس لئے کچھ دنوں کے بعد حافظ محمد ابن علی بن الحسن الحسینی الدمشقی المتوفی ۶۶۵ھ نے مقدسی کے کتاب کی دوبارہ ترمیم و تصحیح کی۔ پھر بھی اس کو ہر دلعزیزی نہ حاصل ہو سکی۔ چنانچہ حافظ ابن عساکر نے صحیحین اور موطا کے علاوہ بقیہ چار کتابوں کے اطراف مرتب کئے۔ اور اپنی کتاب کا نام الاشراف علی معرفۃ الاطراف رکھا۔ لیکن مقدسی کی کتاب نہ مقبول ہونے کی وجہ ابن عساکر کے قول کے بموجب یہ معلوم ہوتی ہے۔ کہ وہ احتمال ترکیبی اور ادغام کا مجموعہ تھی۔ اور حافظ محمد ابن علی ابن الحسن الحسینی الدمشقی کی نئی ترتیب و تبویب کے بعد بھی ہمیں نقائض موجود تھے۔ ابن عساکر کی کتاب تین جلدوں میں ہے۔ اور اسکی ترتیب حروف معجم پیچھے۔ اور مقدسی کے کتاب کا نام اطراف الغرائب والافراد ہے۔ حافظ ابن عساکر کی پیروی کرتے ہوئے ایک مشہور مصنف عمر ابن علی بن الملقن الانصاری المتوفی ۸۰۴ھ نے اسی قسم کی ایک الاشراف علی الاطراف لکھی۔ حافظ ابن عساکر کی تصنیف کچھ دنوں تک اس موضوع پر مستند سمجھی جاتی رہی۔ اس کے بعد حافظ یوسف بن عبد الرحمن المزنی المتوفی ۸۰۴ھ نے ایک بسوط کتاب صحاح ستہ ابوداؤد کی کتاب المراسیل ترمذی کی کتاب الشمایل اور نسائی کی عمل الیوم واللیلہ کے اطراف میں مرتب کی یہ کتاب اب تک مستند ہے



اس کا نام تحفۃ الاشراف بمعرفۃ الاطراف ہے۔  
 مزنی نے یہ کتاب جیسے برسوں کی محنت شاقہ میں لکھی ہے۔ اور اس کو  
 ہر ولعزیز اور کثیر الاستعمال ہونے کا فخر حاصل ہے۔ لیکن اس میں بھی ایسے اوہام  
 تھے۔ جن کو ان کے بعد کے ایک مصنف ابو ذرعمہ احمد ابن عبدالرحیم العزاقی المتوفی  
 ۸۲۰ھ نے ایک جگہ جمع کر دیا ہے۔ لیکن یہ کتاب چونکہ ایک ضخیم کتاب ہے۔ اس  
 لئے حافظ ذہبی المتوفی ۷۴۸ھ اور حافظ محمد ابن علی ابن الحسن الحمینی المتوفی ۷۶۹ھ  
 جن کا ذکر اوپر گذر چکا۔ ان دونوں نے اسکی تلخیص کی۔ اور ابن حجر عسقلانی نے مزنی  
 کی کتاب پر مفید شرح اور حاشیے لکھے۔ اور ان احادیث کو بھی جمع کر دیا ہے۔ جن کو  
 مزنی نے چھوڑ دیا تھا۔ اس شرح کا نام النکتۃ اطراف علی الاطراف ہے۔ اس کا  
 ایک نسخہ بانکی پور کے کتب خانہ میں ہے۔ اصل یہ ہے۔ کہ مزنی نے خود بھی بہت  
 سی احادیث جمع کی تھیں۔ جن کو کتاب میں داخل کرنے کی بجائے لواحق الاطراف  
 کے نام سے علیحدہ جمع کیا تھا۔ حافظ ابن حجر نے بھی تین کتابیں اس فن میں لکھیں ہیں  
 اشخاف المرء باطراف العشرۃ یہ کتاب آٹھ جلدوں میں ہے۔ اور صحاح ستہ  
 اور مساندر ربعہ کے اطراف پر مشتمل ہے۔ اطراف المسند المعنی باطراف المسند الحمینی  
 مسند احمد ابن حنبل المتوفی ۲۴۱ھ میں لوگوں کے بیان کے مطابق چالیس ہزار  
 حدیثیں ہیں۔ اس لئے حافظ ابن حجر نے اس کے لئے علیحدہ اطراف لکھا۔ اس حصہ کو  
 اپنی مذکورہ بالا کتاب سے علیحدہ کر دیا۔ اطراف المختارۃ المختارہ یہ حافظ محمد ابن عبدالقادر  
 المقدسی الحمینی المتوفی ۴۳۳ھ کی مشہور حدیث ہے۔ ابن حجر نے اس کے بھی  
 اطراف لکھے ہیں۔ ان تمام تصنیفوں کے بعد نیز ابن حجر کی ان تین کتابوں کے  
 ہوتے ہوئے کسی مزید تصنیف کی چنداں ضرورت باقی نہیں رہی تھی۔ مگر پھر بھی  
 ایک بہتر تصنیف کے لئے میدان خالی تھا۔ اس کمی کو پورا کرنے کے لئے  
 عبدالغنی ابن اسماعیل النابلسی المتوفی ۱۱۴۳ھ نے ایک کتاب لکھنا شروع کی  
 انہوں نے اپنے پیشروں کی تصانیف کا مطالعہ کیا۔ اور غیر ضروری حصص کو



کو ساقط کر دیا۔ ان نے اس کتاب میں حروف تہجی کے اعتبار سے صرف اس اولین راوی کا نام دیا۔ جو براہ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتا ہے۔ راوی کا نام دے کر اس کے نیچے وہ تمام احادیث درج کر دیں۔ جو اس نے بیان کیں ہیں۔ اور ان ابواب کا حوالہ بھی دیدیا۔ جن میں وہ موجودہ ہیں اس کتاب کا نام زخر المواریت فی الدلالة علی اماکن الاحادیث ہے۔ یہ کتاب دو ضخیم جلدوں میں ہے۔ اس کتاب میں النابلسی نے احادیث کی سات کتابوں کے اطراف مرتب کئے ہیں۔ یعنی صحاح ستہ اور موطا مالک اس کی وجہ یہ تھی۔ کہ صحاح ستہ کی چھٹی کتاب کے متعلق محدثین میں اختلاف ہے۔ بعضوں نے ابن ماجہ کی جگہ موطا ہی کو رکھا ہے۔ اس لئے مصنف نے دونوں کے اطراف لکھے ہیں۔ ان نے ان تمام احادیث کے لئے حروف و اشارات بھی وضع کئے ہیں بخاری خ مسلم کے لئے م ابوداؤد کیلئے و ترمذی کے لئے ت ابن ماجہ کیلئے ہ موطا کے لئے ط نسائی کے لئے س، النابلسی نے اپنی کتاب کو سات بابوں میں تقسیم کیا ہے جن میں اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسماء مبارکہ باعتبار حروف تہجی درج ہیں۔

النابلسی کی کتاب نے ان تمام مشکلات کو جن سے لگے محدثین کو دوچار ہونا پڑا تھا۔ بڑھی حد تک کم کر دیا ہے۔ لیکن ان کی کتاب کے ذریعہ کسی حدیث کے نکالنے میں اس کے اولین راوی کی واقفیت ضروری ہے۔ اس لئے اس سے استفادہ ذرا دشوار تھا۔ ان مشکلات کو پیش نظر رکھ کر ایک بہت جدید مصنف محمد شریف ابن مصطفیٰ انوفادی نے دو کتابیں اس موضوع پر لکھی ہیں، ان کتابوں میں سے ایک بخاری کے متعلق ہے۔ جو ۱۲۹۶ھ میں مصر میں شائع ہو چکی ہے۔ اور دوسری مسلم کے متعلق ہے۔ بھی مصر میں ۱۲۹۰ھ میں چھپ گئی ہے۔ اول الذکر تصنیف کا نام مفتاح صحیح البخاری اور دوسری کا مفتاح صحیح مسلم ہے۔ اور مصنف نے آخری مرتبہ ان دونوں کو مفتاح الصحیحین کے نام سے مرتب کیا۔ اور ۱۳۱۳ھ میں قسطنطنیہ سے شائع کیا۔



اس کتاب میں لائق مصنف نے بخاری کی تین مشہور شرحوں القسطلانی مطبوعہ مصر ۱۲۹۳ء  
 القسطلانی مطبوعہ مصر ۱۳۰۱ء یعنی مطبوعہ قسطنطنیہ ۱۳۹۱ء اور مسلم کی ایک شرح النوادی  
 مطبوعہ مصر ۱۲۹۳ء کے صفحات کے حوالے بھی دئے ہیں مصنف نے احادیث کی  
 ترتیب حروف تہجی کے قاعد پر کی ہے۔ واہنے جانب کے خانوں میں وہ بخاری اور  
 اسکی جلد اور صفحوں کا حوالہ دیتا ہے۔ اور بیچ میں حدیث اور بائیں جانب ابواب  
 اور ان کے عنوانات کے نمبر ہوتے ہیں۔ اس تصنیف میں ایک بڑی خوبی یہ  
 ہے۔ کہ جن مطبوعہ نسخوں کے حوالے دئے گئے ہیں۔ وہ اگر موجود نہ بھی ہوں۔  
 جب بھی فہم شخص ابواب و عنوانات کے ذریعہ اس سے اچھی طرح مستفید ہو  
 سکتا ہے۔

## ”چوتھی صدی ہجری کے بعد جمع و تہذیب کا دور“

لوگوں کے زبانی سنی ہوئی حدیثوں کا جمع کرنا اور رجال و اسانید کی جانچ پھر  
 ان کی حیثیت کی تعیین اور صحیح حدیث کا غیر صحیح سے تمیز کرنا یہ تو چوتھی صدی کے  
 تمام ہو جانے کے بعد ہی ہنتی ہو گیا۔ کیونکہ اجتہادی قوت لوگوں میں فنا ہو چکی  
 تھی۔ اور تقلید کی طرف ان کا میلان بڑھ رہا تھا۔ اسی لئے اس دور کی اکثر کتابیں  
 یا تو صرف تہذیب شدہ ہوں گی۔ یا پر اگندہ و متشتت چیزیں ایک جگہ جمع نظر آئیں گی  
 یا تراجم کی تحقیق ہوگی۔ یا حسن ترتیب اختصار ابداع ہوگا۔ اور اس دور  
 کا بڑا گروہ اسناد و رواۃ کے متعلق جو کچھ بھی کہیگا۔ سب کے سب پہلوں ہی کا  
 کہا ہوگا۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں۔ کہ پانچویں صدی سے قبل جمع تہذیب کا وجود  
 ہی نہ تھا۔ لیکن اس کا شمار ہونے میں نہ تھا۔

## ”دور تہذیب کی اہم باتیں“

الجمع بین الصحیحین۔ صحیح بخاری و مسلم کی حدیثوں کو بہتوں نے جمع کیا ہے



جن میں محمد بن عبداللہ الجوزی المتوفی ۳۸۱ھ اسماعیل ابن احمد المعروف بابن الفراط  
 المتوفی ۴۱۲ھ محمد بن ابی نصر الحمیدی اللاندسی المتوفی ۴۸۸ھ ہیں۔ انہوں نے  
 بعض ایسی زیادتیاں بھی کر دیں۔ جو ان میں نہ تھیں۔ حسین بن مسعود البغوی المتوفی  
 ۲۵۶ھ محمد بن عبدالحق الاشعری المتوفی ۵۸۲ھ احمد بن محمد القزطبی المعروف  
 بابن ابی حاتم المتوفی ۶۴۲ھ وغیرہ ہیں۔

## ”الجمع بین الکتب الستہ“

ان کے درمیان جمع کا کام عبدالحق ابن عبدالرحمن الاشعری المعروف بابن  
 الخراط المتوفی ۵۸۲ھ اور قطب الدین محمد بن علاء الدین المکی المتوفی ۹۹۰ھ نے  
 کیا۔ ان کی کتاب خوبی کے ساتھ ہمد و مرتب کی گئی ہیں۔ اور ابوالحسین زریں  
 ابن معاویۃ العبدری السرقطی نے اپنی کتاب تجرید الصحاح میں کتب ستہ کو جمع  
 کیا۔ لیکن اسکی ترتیب و تہذیب اچھی نہ کر سکے۔ اور بعض مدین میں چھوڑ دیں۔  
 لیکن جب ابوالسعوات مبارک ابن محمد المعروف بابن الاثیر الجزری الشافعی کا  
 زمانہ آیا۔ تو انہوں نے اپنی کتاب کی تدوین کی۔ اس کے ابواب مرتب کئے۔  
 اور جو اصول رزئی کی کتاب سے ساقط تھے۔ ان کا اضافہ کیا۔ اور غریب  
 لغتوں کی شرح مشکل اعراب کا بیان اور پوشیدہ مطالب کو جگہ دی۔ اسناد  
 حذف کر دیے۔ اور انہیں راویوں سے حدیث کی ابتدا کی جو صحابی یا تابعین سے  
 روایت کرتے ہیں۔ اور کہیں اقوال تابعین و آئمہ بھی ذکر کر دیے۔ اس کی ترتیب  
 حروف معجم کے فائدہ پر کی۔ اس کا نام جامع الاصول لا حدیث الرسول رکھا۔  
 ان تمام خوبیوں کے سبب گویا انہوں نے اس کتاب کو ایک بہترین کتاب  
 بنایا۔ اور جو چیزیں ہمارے لئے دود تھیں۔ وہ قریب اور مشکل تھیں۔ اور  
 وہ آسان ہو گئیں۔ یہ ایک بے نظیر کتاب ہے۔ اب تک کسی نے بھی  
 اس انداز کی کوئی کتاب نہیں لکھی۔ اس جامع کا اختصار بھی بہتوں نے کیا۔



جن میں محمد بن حسین المرزئی المتوفی ۶۸۲ھ جنتہ اللہ ابن عبدالرحیم الحموی المتوفی  
 ۸۱۸ھ عبدالرحمن ابن علی المعروف بابن الدیبع الشیبانی الزبیدی وغیرہ ہیں۔  
 ۹۷۲ھ یہ مختصرات میں سب سے بہتر مختصر ہے۔ مصر میں چھپ گئی ہے۔ تین  
 جڑوں میں ہے۔ پھر ابو طاهر محمد بن یعقوب الفیروز باوی المتوفی ۸۱۶ھ نے ایک  
 زوائد لکھی ہے۔ جس کا نام تسہیل الوصول الی الاحادیث الزائدہ علی جامع الاصول  
 رکھا ہے۔

## عام جوامع حدیث

ان میں جامع المسانید واللقاب لابن الفرج عبدالرحمن ابن علی الجوزی  
 ہے۔ اس کے اندر صحیحین مسند احمد ترمذی کو جمع کیا ہے۔ لیکن اس کی پوری  
 ترکیب و ترتیب احمد بن عبداللہ المکی المتوفی ۶۹۲ھ نے کی ہے۔ اور جامع المسانید  
 والسنن البیہاقی لاقوم سنن حافظ اسماعیل عمر الوشی الدمشقی المعروف بابن کثیر  
 المتوفی ۸۶۲ھ نے کی ہے صحیحین سنن نسائی ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ، مسند  
 میں سے مسند احمد، بزار، ابویعلیٰ، معجم کبیر طبرانی وغیرہ کی حدیثیں جمع کی ہیں۔ اور  
 مجمع الزوائد للحافظ ابی الحسن علی البیہقی المتوفی ۸۰۶ھ مسند احمد ابویعلیٰ بزار  
 معاجم الطبرانی الثلثہ کے زوائد اس میں جمع کر دئے ہیں، اس کی آٹھ جلدیں ہیں  
 اور غالباً یہ چھپ بھی گئی ہے۔

مصابیح السننہ للامام حسین ابن مسعود البغوی المتوفی ۵۱۶ھ ۲۲۸  
 صحیح اور حسن حدیثیں اس میں جمع کر دیں۔ اور صحاح سے ان کی مرادہ حدیثیں  
 ہیں۔ جن کی شیخین نے تخریج کی ہے۔ اور حسان سے وہ جن کی ابوداؤد ترمذی وغیرہ نے  
 تخریج کی ہے۔ اور جو غریب یا ضعیف حدیثیں ہوتی ہیں۔ ان کو بیان کر دیتے ہیں  
 اور منکر اور موضوع حدیثیں نہیں لاتے۔ علمائے اس کتاب کے ساتھ بھی بہت  
 کافی اعتنا کی۔ اور بہت سی شرحیں لکھیں۔ اس کی تکمیل محمد ابن عبداللہ الخطیب



کے ہاتھوں ہوئی۔ اس کے ابواب ترتیب دئے۔ اور جن صحابہ سے حدیثیں  
تھیں۔ ان کے نام بتائے۔ اور جن کتابوں سے حدیثیں لی تھیں۔ ان کو نظام کیا  
اور ہر صحیح اور حسن بابوں کے بعد ایک قیسری فصل کا اضافہ کیا، اور یہ کام <sup>۸۳۸ھ</sup>  
میں وجود میں آیا۔ اس حیثیت سے یہ ایک بہتر کتاب ثابت ہوئی۔ اس کا نام  
مشکوٰۃ المصابیح رکھا۔ اس کی شرحیں بہتوں نے کیں ہیں۔

جمع الجوامع فی الحدیث لعبد الرحمن ابن ابی بکر السیوطی ہے۔ کتب ستہ  
اور اس کے علاوہ بعض دیگر کتب کی حدیثیں جمع کی ہیں۔ اس کتاب سے ان کا مقصود  
تمام احادیث نبوی کا ایک کتاب میں جمع کر دیتا ہے۔ منادی کہتے ہیں۔ کہ  
جلال الدین سیوطی اس کی تکمیل سے پہلے ہی فوت کر گئے۔ لیکن یہ کتاب جہاں  
صحیح احادیث کا خزانہ کہی جاسکتی ہے۔ وہاں بہت سی ضعیف بلکہ موضوع  
حدیثوں کا بھی مجموعہ ہے۔ اس کی نئی ترتیب علماء الدین علی ابن حسام الہندی  
المتوفی بکے ۹۸۵ھ نے اپنی کتاب کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال میں  
کی ہے۔ اور خود سیوطی نے اس کا اختصار اپنی کتاب جامع صغیر اور ذوائد میں  
کیا ہے۔

اور اشاف الخیرہ بزوائد المسانید العشرہ لاحمد بن ابی بکر البوصیری المتوفی <sup>۸۴۰ھ</sup>  
جس میں ابو داؤد طیاسی کی مسند اور حمیدی ہمدانی ابن ابی عمرا سحاق ابن راہویہ ابن  
ابی شیبہ احمد بن منیع عبد بن حمید عارت ابن محمد بن ابی اسامہ ابو یعلیٰ الموصلی کی  
مسانید کے زوائد جمع کئے۔ یعنی صحاح ستہ کے علاوہ ان دسوں کتابوں کے اندر  
اور حنبلی حدیثیں تھیں۔ سبھوں کو جمع کر دیا۔ اور اس کی سو جلدیں ہوئیں۔



# احادیث احکام کی جامع کتابیں

ان میں پہلی الامام فی احادیث الاحکام لابن قتیب العبدی ہے۔ اس میں متون احکام جمع کئے ہیں۔ اور پھر اس کی شرح کی ہے۔ لیکن شرح کی تکمیل نہ کر سکے۔ مشہور ہے۔ کہ اس جن میں اس سے بہتر اور کوئی کتاب نہیں لکھی گئی۔ دوسری دلائل الاحکام من احادیث العینی لابن شداد الحلبی ان احادیث سے بحث کی ہے۔ جن سے فروعی احکام مستنبط ہوتے ہیں۔ اس کی دو جلدیں ہیں۔ تیسری تنقیح الاخبار فی الاحکام للمحافظ مجدوالدین ابوالبرکات عبدالسلام ابن عبداللہ ابن ابوالقاسم الحیرانی المعروف بابن تیمہ الجنبلی بخاری، مسلم مسند الانام احمد۔ جامع ابی عیسیٰ الترمذی سنن نسائی۔ ابوداؤد ابن ماجہ وغیرہ سے اس میں احکام کی حدیثیں جمع کی ہیں۔ اور جن کتابوں سے حدیثیں لی ہیں۔ ان کا حوالہ دے دیا۔ ہے۔ اس کی شرح شیخ شوکانی قاضی مین المتوفی ۱۲۵۰ھ نے کی ہے۔ جس کی آٹھ جلدیں ہیں۔ اور نام نیل الاوطار ہے۔

چوتھی بلوغ المرام من اولی الاحکام حافظ احمد بن علی ابن حجر العسقلانی المتوفی ۸۵۲ھ اس کی ایک شرح ذاب صدیق حسن خاں صاحب بھوپال نے کی ہے۔ جس کی دو جلدیں ہیں۔ اس کتاب میں ایک ہزار چار سو احکامی حدیثیں ہیں۔ اور یہ ایک بڑے مرتبہ کی کتاب ہے۔ اور اس پر ایک حاشیہ مولانا احمد حسن صاحب کانپوری کا بھی ہے۔ بلوغ المرام کی ایک شرح نیل السلام للامیر اسمعیل الیمانی بھی ہے۔



## دوسری دو کتابیں

حدیث کی نفیس ترین کتابوں میں (المختارہ) محمد بن عبدالواحد المقدسی المتوفی ۲۲۳ھ ہے۔ اس کتاب میں صحیح حدیثیں جمع کرنے کا پورا لحاظ رکھا ہے اور ایسی صحیح حدیثیں بھی بیان کی ہیں۔ جن کی تصحیح اب تک نہ ہو سکی تھی۔ بعضوں نے اس کو مشترک حاکم پر فضیلت دی ہے۔ اور انہیں میں سنن کبیر و صغیر لا احمد بن حسین البہیقی المتوفی ۲۵۸ھ لوگوں کا خیال ہے۔ کہ اسلام میں اب تک اس سے بہتر کتاب نہیں لکھی گئی۔ ابن صلاح کا خیال ہے۔ کہ علم حدیث کی کوئی کتاب جس نے ولایں سے بھی بحث کی ہو۔ بجز بہیقی کی سنن کبریٰ کے اور کوئی نہیں، اور اقطار عالم میں شاید ہی کوئی ایسی حدیث باقی رہی ہو جس کو وہ اپنی کتاب میں نہ لائے ہوں۔

اور اسی فن میں سحر الاسانید امام حافظ حسن بن احمد السمرقندی المتوفی ۵۹۱ھ کی کتاب ہے۔ ایک لاکھ حدیثیں ترتیب و تہذیب کے ساتھ اس میں جمع کر دیں ہیں۔ اور یہ بھی بے نظیر کتاب ہے۔

اور اسی فن کی ایک کتاب الترغیب والترہیب للمذہبی ہے۔ اس کتاب کا اسلوب بیان ہی ترالا ہے۔ کیا بہتر ہوتا۔ کہ حدیث کی ساری کتابیں اسی اسلوب پر ہوتیں۔ یہ چھپ بھی گئی ہے۔

## مراتب کتب حدیث باعتبار صحت

یہ معلوم ہو جانے کے بعد کہ علم حدیث کی کتابت میں ابتداءً کیسا اختلاف رہا۔ اور پھر یہ علم کتابی شکل میں کیونکر آیا۔ کہ ابن جریر اور امام مالک کی مختصر کتابوں کے بعد بخاری و مسلم مندا احمد بن حنبل جیسی ضخیم جلدیں بھی عالم وجود



میں آئیں۔ اور یہ سلسلہ کچھ اس طرح بڑھا۔ کہ ہر محدث اپنی اپنی مسندیں الگ لکھنے لگا۔ اور کثرت کا یہ حال کے حدیث کی کتابیں اونٹوں پر لا کر اوپر اڑھنے جانی جانے لگیں۔ اور مالی و مسودات کو چھوڑ کر مسانید و مصنفات کی اتنی جلدیں نظر آنے لگیں۔ جو شمار سے باہر ثابت ہوئیں۔ یہ معلوم کرنا بھی ضروری ہے۔ کہ ان کے اندر رطب و یابس کی تمیز کیونکر ہوئی۔ اور ان کے ماہر الاشیاء کا پتہ کیونکر لگا۔ ونبی میں جس طرح ہر رطب و یابس ہر جدید و روی ہر بہتر و غیر بہتر اعلیٰ و ادنیٰ میں تفریق کر لی جاتی ہے۔ اسی طرح ان میں بھی کی گئی۔ مختلف دعووں میں مختلف ناقدین حدیث و ماہرین فن نے اپنے اپنے نقطہ نظر سے ان حدیثوں میں ماہر الاشیاء کا پتہ لگایا۔ اور بعض کو بعض پر مقدم کیا۔ اور مختلف طبقات قائم کئے۔ جن میں کہ ”بطور نمونہ پیش کئے جاتے ہیں۔“

ذہبی نے اپنی کتاب سیر النساء میں ابن حزم ظاہری کا ترجمہ لکھے ہوئے ان کی وہ ترتیب بھی بیان کی ہے۔ جو انہوں نے کتب حدیث کے اندر قائم کی ہے لکھتے ہیں۔ کہ ابن حزم سے کسی نے اپنا یہ خیال ظاہر کیا۔ کہ حدیث کی کتابوں میں سب زیادہ تعظیم کے لائق موطا مالک سے۔ ابن حزم نے جواب دیا۔ نہیں سب زیادہ تعظیم کے لائق بخاری مسلم، صحیح ابن مسکن، متقی لابن الجارود، منتقی تقاسم ابن اصبح ہیں۔ ان کے بعد ابوداؤد کتاب النساء، کتاب تقاسم ابن اصبح، مصنف ابوجعفر الطحاوی دقابی کہتے ہیں۔ کہ سنن ابن ماجہ اور ترمذی کا ذکر نہیں کیا۔ اس لئے کہ انہیں دیکھا ہی تھا۔ اور یہ کتابیں اندلس میں ان کی وفات کے بعد پہنچیں مسند بزار، مسند ابن ابی شیبہ، مسند احمد بن حنبل، مسند اسحاق، مسند طیبی، مسند حسن ابن سفیان، مسند ابن سیر، مسند عبد اللہ ابن محمد المسندی، مسند یعقوب ابن شیبہ، مسند علی ابن المدینی۔ مسند ابن ابی عررہ۔ اور وہ کتابیں جو انہیں کے مثل صرف حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حامل ہیں، پھر وہ کتابیں جن میں حضرت کے کلام کے ساتھ صحابہ و تابعین کے کلام بھی ہیں۔ جیسے مصنف عبد الرزاق،



مصنف ابو بکر ابن ابی شیبہ، مصنف یحییٰ بن خالد، کتاب محمد بن نصر المروزی، کتاب المنذر الاصحغر والا کبر اس کے بعد مصنف حماد ابن سلمہ، موطا مالک ابن انس، موطا ابن ابی ذئب، موطا ابن وہب مصنف وکیع، مصنف محمد بن یوسف القریابی مصنف سعید ابن منصور، مسائل احمد، فقہ ابی ثور، فقہ ابی عبید، ذہبی کہتے ہیں ابن حزم نے انصاف نہیں کیا۔ موطا کا مرتبہ تو یہ تھا۔ کہ صحیحین کے بعد ابو داؤد و نسائی کے ساتھ اس کا ذکر ہوتا۔ پانچ ابن حزم نے ادب کیا۔ اور خالص مسندات نبویہ کو سبھوں پر مقدم کیا۔ بیشک موطا کے لئے دلوں میں عظمت ہے۔ اور قلوب اس کی ہیبت سے لرزان ہیں، انتہی کلام الذہبی اس ترتیب سے ابن حزم کے خیالات معلوم ہو گئے۔ اول یہ بھی معلوم ہوا۔ کہ حدیث کا یہ نادار ذخیرہ جس حد تک ان کے وقت میں موجود تھا۔ آج اس کا عشر عشر بھی نہیں۔ نہیں معلوم ان کے قبل کے محدثین نے طبقات حدیث کیوں قائم کئے تھے۔ اور ان کے نزدیک کتب حدیث کی کیا ترتیب تھی؟ ابن حزم کی اس ترتیب سے یہ معلوم ہوا کہ بخاری و مسلم آج اور آج سے پہلے بھی حدیث کی صف اول ہی میں شمار کی جاتی تھیں۔ لیکن اس کے ساتھ کچھ اور کتابیں بھی اسی پایہ کی تھیں۔ اور ان کا مرتبہ بھی ان کے برابر ہی تھا۔ لیکن زمانہ کے انقلاب نے جب ساری کتابیں میٹ دیں۔ تو ہم نے اپنے اس دور کی ہی بقیہ کتابوں کو ایک دوسرے پر افضل قرار دے لیا شاہ ولی اللہ صاحب محدث نے اپنی کتاب حجتہ اللہ البالغہ کے اندر بھی طبقات حدیث قائم کئے ہیں۔ میں اپنے دعویٰ کی دلیل میں اسے بھی پیش کرتا ہوں۔

کتب حدیث کے چار طبقے ہیں۔ طبقہ اولیٰ اسنقر کے بعد تین کتابوں موطا مالک، بخاری، مسلم میں منحصر ہے۔ طبقہ ثانیہ میں وہ کتابیں ہیں۔ جو موطا اور صحیحین کے مرتبہ کو نہیں پہنچیں۔ لیکن وہ ان کے بعد کا درجہ رکھتی ہیں۔ کیونکہ ان کے مصنفین عدالت و ثوق۔ یحرفی الحدیث میں مشہور تھے۔ اور اس میں کچھ سہل بھی نہیں کیا تھا۔ اور ان کے بعد دلوں نے اس کو قبول کیا۔ اور فقہا محدثین نے



اس کے ساتھ اعتناء کی۔ اور لوگوں میں وہ کتابیں مشہور ہوئیں۔ جیسے ابوداؤد مجتبیٰ نسائی، جامع ترمذی وغیرہ اور زریں ابن معاویہ العبدری القسطنی نے تجرید صحاح میں اور ابن اثیر نے ہنایہ میں ان کتابوں کی حدیثوں کے ساتھ ویسی ہی اعتناء کی ہے۔ جیسے طبقہ اولیٰ کی حدیثوں کے ساتھ اور غالباً مسند احمد ابن حنبل بھی اسی دوسرے طبقہ میں ہے، اور طبقہ ثالثہ میں وہ مسانید و جوامع و مؤلفات ہیں۔ جو بخاری، مسلم سے قبل، کچھ ان کے زمانوں میں اور کچھ ان کے بعد لکھی گئی ہیں۔ جو صحیح، حسن، ضعیف، معروف، منکر، غریب، شاذ، خطا، صواب ثابت، منقول و روایتوں پر مشتمل ہیں۔ اور علماء میں اس شہرت کو نہیں پہنچیں۔ جس کو طبقہ اولیٰ اور ثانیہ پہنچا۔ اگرچہ پوشیدگی نام سے منظر عام پر آگئیں۔ لیکن نہ تو فقہاء نے ان کے مفردات کے ساتھ اتنی اعتناء کی۔ اور نہ محدثین نے ہی ان کی صحیح اور سقیم حدیثوں کی چھان بین کی۔ اور انہیں کتابوں میں بعض تو ایسی ہیں۔ جن کے غرائب کی نہ لغوی تحقیق و تشریح ہوئی۔ اور نہ کسی محدث نے اس کے مشکلات اور نہ کسی مؤرخ نے اس کے اسماء رجال بیان کئے۔ اور نہ ہی کسی فقیہ نے ان کے مذاہب سلف کے ساتھ مطابقت کرنے کی کوشش کی۔ میں متاخرین مستقیمین کو نہیں مراد لیتا۔ میرا کلام تو اگلے محدثین میں ہے۔ الغرض وہ اپنی اسی پوشیدگی اور گمنامی پر باقی رہیں گی۔ جیسے مسند ابویعلیٰ، مسند عبدالرزاق، مصنف ابوبکر بن ابی شیبہ، مسند عبد بن حمید، مسند طبرانی، کتب البیہقی، طحاوی، طبرانی، ان کا مقصود صرف ان تمام حدیثوں کا جمع کر دینا تھا۔ جو انہوں نے پائی تھیں، ان تہذیب و تلخیص مراد نہ تھی۔ اور نہ ان کو عمل کے قریب تر کرتا تھا۔ اور چوتھا طبقہ کتابوں پر مشتمل ہے۔ جن کے مصنفین نے بہت دنوں کے بعد ان حدیثوں کو جمع کر دیا۔ جو طبقہ اول اور طبقہ ثانیہ میں نہیں پائی جاتی تھیں۔ بلکہ مختلف مسندوں اور مجموعوں کے اندر تھیں۔ اور وہ ان لوگوں کی حدیثیں تھیں۔ جن کی حدیثیں قابل قبول نہ تھیں۔ جیسے موہبہ پخت۔ واعظ، نفس پرست عالم اور ضعیف



جماعتیں یا وہ آثار صحابہ و تابعین تھے۔ یا حکماء و عظیمین کے کلام تھے۔ جن کو راویوں نے ہوا یا قصداً آنحضرت کی حدیث کے ساتھ مخلط کر دیا تھا۔ یا وہ محملات قرآن و عمومات حدیث صحیحہ تھے۔ جن کی بالمعنی روایت ایک صالح جماعت نے کی تھی۔ جو راویوں کی پیچیدگیوں سے واقف نہ تھی۔ راویوں نے ان معانی کو احادیث مشہورہ بنا دیا۔ یا وہ کتاب سے اشارتاً سمجھے گئے تھے۔ اس کو عمداً حدیث مستقل بذاتہ بنا دیا۔ یا مختلف حدیثوں کے مختلف جملے تھے۔ اس کو ایک سلسلہ کی مستقل ایک حدیث بنا دی۔ ایسی حدیثوں کا مجموعہ ابن جہان کی کتاب الضعفاء ابن عدی کی کامل، اور خطیب، ابو نعیم، جوز قانی، ابن عساکر ابن الجار و بیہمی کی کتابیں ہیں۔ اور غالباً مسند خوارزمی بھی اسی طبقہ سے ہے۔ الغرض اس طبقہ کی بہترین حدیثیں وہ ہیں جو ضعیف محتمل ہوں۔ اور بدترین وہ ہیں جو موضوع یا مقلوب شدید الانکار ہوں۔ اور یہی طبقہ ابن الجوزی کی کتاب الموضوعات کا ماخذ ہے۔ بہر حال طبقہ اولیٰ اور ثانیہ پر محدثین پر اعتماد ہے۔ اور طبقہ ثالثہ پر عمل اور فتویٰ کی جرأت سوا کا ملین فن جو اسماء رجال و علل الحدیث سے واقف ہیں۔ اور کسی کو نہ کرنا چاہئے۔ وَقَدْ جَعَلَ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا ۗ اور طبقہ رابعہ کی تمام حدیثوں کے ساتھ اشتغال یا اس سے کسی مسئلہ کا استنباط متاخرین کی ایک ازیج اور غلو ہے۔ اگر تم انصاف سے دیکھو۔ تو تمہیں معلوم ہو جائیگا۔ کہ روافض اور ان کے علاوہ دیگر مبتدعین ان احادیث سے کس اورنی توجہ کے ساتھ اپنے مذاہب کی دلیلیں چن لیتے ہیں۔ پس ان کتابوں کے ذریعہ عالم بالحدیث کی جماعت میں کامیابی حاصل کرنا صحیح نہیں۔ ان دو عالموں کی تحقیقوں کے بعد ذرا ان کے خیالات کا تقابلاً ملاحظہ کیجئے۔ ابن حزم موطا کو چوتھے درجہ پر رکھتے ہیں۔ اور اسکو فضیلت کا وہ مرتبہ نہیں دیتے جو دوسری کتابوں کو دیا ہے۔ لیکن شاہ صاحب موطا کو حدیث کی صف اول میں داخل کرتے ہیں۔ اور اصح الکتاب بعد کتاب اللہ کہتے ہیں۔ اسی طرح ابن حزم بخاری اور مسلم کے ہم پلہ حدیث کی بعض اور کتابیں بھی قرار دیتے ہیں۔ اور طحاوی کو



درجہ ثانیہ میں رکھتے ہیں۔ لیکن شاہ ولی اللہ صاحب استقرا کے بعد صرف انہیں تین کتابوں کو درجہ اولیٰ کا شرف بخشے ہیں۔ اور طحاوی کو درجہ ثالثہ میں رکھتے ہیں دوسری طرف عام محدثین بھی موطا کی اس فضیلت کے قائل نہیں۔ وہ تو صحیحین کے بعد ابو داؤد اور ترمذی کے ہم پلہ رکھنا چاہتے ہیں۔ جیسا کہ ابھی ابھی نوہی نے ابن حزم کے ترجمہ میں کہا۔ ما الضف ان حوزمان ساقیۃ الموطا تلوا الصحیحین اور امام شافعی کے اس قول "کہ آسمان کے نیچے مالک کی کتاب سے بڑھ کر کوئی دوسری کتاب نہیں" کی مختلف تاویلیں کرتے ہیں۔ ہمارے اس قول کی تصدیق سب سے پہلے موطا کے نسخوں کے معلوم کر لینے کی داعی ہے جس کے بعد یہ فیصلہ آسان ہو جائیگا۔ کہ موطا کا جو نسخہ سب سے زیادہ صحیح اور افضل قرار دیا گیا ہے۔ وہ کہاں تک قابل یقین ہے۔ قاضی عیاض کی روایت کی بنا پر موطا کے بیس نسخے ہیں۔ اور بعضوں کے نزدیک تیس۔ لیکن شاہ عبدالعزیز صاحب محدث نے بتانے لکھتے ہیں موطا کے سولہ نسخے گنائے ہیں۔ موطا یحییٰ بن یحییٰ المصمودی، موطا ابن ذہب، موطا ابن بکیر، موطا ابن ابی مصعب، موطا ابن القاسم، موطا ابن معن ابن عیسیٰ، موطا القعنی، موطا عبداللہ ابن یوسف الدمشقی، موطا ابن زبیر، موطا مصعب بن عبداللہ، موطا محمد بن مبارک الصوری، موطا سلیمان بن برد، موطا ابی خذافہ السہمی، موطا سوید ابن سعید، موطا محمد بن حسن الشیبانی، موطا ابو مصعب الزہری، موطا یحییٰ بن یحییٰ القعنی، یہ اتنے نسخے ہیں۔ اور ان میں سے تقریباً ہر ایک کے متعلق علماء کی مختلف رائیں ہیں۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے تو موطا بروایت المصمودی ہی کو اثبت الموطا قرار دیکر حدیث کی صف اول میں داخل کر دیا ہے۔ لیکن دوسری طرف کبار محدثین ہیں جو موطا کی مختلف روایتوں کو ایک دوسرے کی فضیلت دیتے ہیں۔ یحییٰ بن معین، علی بن المدینی امام نسائی نے موطا قعنی اور قعنی کو اثبت الموطا قرار دیا۔ ابو حاتم نے موطا معن ابن عیسیٰ کو امام احمد نے موطا بروایت عبدالرحمن بن مہدی کو بخاری نے بھی قعنی کو، مسلم نے یحییٰ بن یحییٰ القعنی کو



اور متاخرین میں مولانا عبدالحی فرنگی محلی مرحوم نے موطا بروایت امام محمد کو افضل الموطا قرار دیا ہے۔ جس کے وجوہات معقول ہیں۔ یہ ان لوگوں کی رائیں ہیں۔ جو خود محدث ہونے کے علاوہ تمام محدثین کے سرتاج ہیں۔ ایسی حالت میں کسی ایک موطا کو افضل قرار دینا کیا معنی رکھتا ہے۔

دوسرے یہ کہ ایک ایسی کتاب جو اسلام کی ابتدائی تصنیف کہی جاسکتی ہے۔ اور جس کے اندر صرف مدنی صحابہ و تابعین کی حدیثیں اور ان کے فتاویٰ ہیں ان کتابوں سے افضل یا ان کے برابر کیسے قرار دی جاسکتی ہے۔ جو اسلامی دور کے انتہائی عروج میں لکھی گئی ہوں۔ جن میں تمام اسلامی مراکز کی صحیح اور چینی ہوئی معمول بہا حدیثیں ہوں۔ امام مالک سے ہاروں نے جس وقت پوچھا تھا۔ کہ میں آپ کی کتاب میں عبداللہ ابن مسعود و ابن عباس کی حدیثیں نہیں پاتا۔ تو آپ نے یہی فرمایا تھا۔ کہ ہاں اس میں ان کی حدیثیں نہیں ہیں۔ کیونکہ وہ میرے شہر میں نہیں رہتے تھے۔ اور اگر اس کے تمام حدیث کی کتابوں سے افضلیت کی صرف یہی دلیل ہے۔ کہ اسلام کی مقدم ترین کتابوں میں ہے۔ اور اہل مدینہ کی صحیح حدیثیں اس کے اندر موجود ہیں۔ تو چاہئے۔ کہ اس دور کی سب کتابیں حدیث کی صف اول میں شمار کی جائیں۔ امام سفیان ثوری کی کتاب بھی فقہاء کوفہ کی صحیح حدیثوں اور فتاویٰ کی جامع تھی۔ چنانچہ ابو داؤد نے اپنے رسالے میں جو اہل مکہ کے لئے لکھا تھا۔ اس میں اس کتاب کو اصح الجوامع کے لفظ سے یاد کیا ہے۔ اسی طرح ابن جریر، ابن المبارک وغیرہ کی کتابیں بھی اپنے شہر کے شیوخ کی صحیح ترین حدیثوں کی جامع تھیں۔ کیونکہ ان کے جامعین بالا جماع ثقہ تھے۔ اگرچہ وہ زمانہ نے ان کو معدوم کر دیا ہے۔ لیکن جس زمانہ تک وہ تھیں۔ اور جو زمانہ حدیث کی جانچ پڑتال کا اعلیٰ ترین زمانہ تھا۔ اس وقت یہ اعلیٰ ترین کتابیں سمجھی جاتی تھیں۔ وہ ضعیف روایتوں کا مجموعہ تھیں۔ لیکن اصح الکتاب بعد کتاب اللہ کا مرتبہ انہیں اسی لئے نہیں دیا گیا۔ کہ وہ مخصوص شہروں کی صحیح حدیثوں کی حامل تھیں۔ اور



ان کے بعد ایسی کتابیں بھی دنیا کے سامنے آچکی تھیں۔ جو تمام بلاد اسلام میں پھیلی ہوئی صحیح احادیث کی جامع تھیں۔ اس لئے ان کو فوقیت دی گئی۔ اور ان کا مرتبہ ان کے بعد کارہا، الغرض بخاری و مسلم کے بعد ان کے علاوہ کسی اور کتاب کو حدیث کی صف اول میں قرار دینا صحیح نہیں۔ کیونکہ یہی دو کتابیں ایسی ہیں۔ جو اس معیار پر صحیح اترتی ہیں۔ اس کے یہ معنی نہیں۔ کہ بخاری و مسلم کے علاوہ حدیث کی ساری کتابیں ضعیف روایتوں کا مجموعہ ہیں۔ بلکہ مراد یہ ہے کہ جو معیار فضیلت ہے۔ اس پر یہ دونوں بدرجہ اتم اترتی ہیں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں۔ کہ موطا بروایت المصمودی کے ساتھ اعتنا زیادہ کی گئی۔ اور سب سے پہلے مالک نے اس کی طرف توجہ کی۔ اور وہ سارے اقوال میں نے موطا مالک کے ضمن میں اور پر بیان کر دیے ہیں۔ موطا بروایت یحییٰ المصمودی کی شرحوں اور مختصرات کا ذکر تو پہلے ہو چکا۔ لیکن موطا بروایت محمد کا ذکر باقی ہے۔ موطا کے اتنے نسخوں میں میرے علم کے مطابق دو ہی موطا ایسی ہیں۔ جن کی شرحیں، مختصرات و تلخیصات کئے گئے ہیں۔ موطا مالک بروایت یحییٰ موطا محمد و موطا محمد کی شرحیں علامہ ابراہیم معروف بہ بیری زادہ، ملا علی قاری مولانا عبدالحی فرنگی محلی نے کی ہیں۔ اور مولانا نے اپنی شرح یا حاشیہ کا نام التعلیق المجدد رکھا ہے۔

## علم حدیث ایک دوسری تاریخی حیثیت میں

یہ تمام تفصیلیں تو علم حدیث کی تدوین و تصنیف کے سلسلہ کی تھیں۔ اور اب تک یہ بتایا گیا تھا۔ کہ جمع حدیث میں کس نے کس پر سبقت حاصل کی۔ اور کس نے کیسی خدمت کی اور پھر کس کتاب کی کس نے شرح کی ان شرحوں میں سب سے بہتر کون ثابت ہوئی۔ اور ان جوامع میں صحت کے اعتبار سے کس کا مرتبہ بلند ہے۔



اب ان تمام فنون و علوم کو معلوم کرنا چاہئے۔ جو حدیث کے سلسلہ میں عالم وجود میں آئے۔ علم غریب الحدیث علم اسماء و رجال، علم جرح و الثعدیل، علم معرفۃ الکنی واللقاب علم تاریخ الحدیث و منسوخہ وغیرہ سب اسی سلسلہ کی پیداوار ہیں۔

## ”علم غریب الحدیث“

غریب کے دو معنی آتے ہیں۔ ایک تو غیر متبادر، دوسرے نادر اور غیر مشہور کلام غریب میں بھی یہی دو معنی ہوتے ہیں۔ کسی کلام سے اگر اس کے غیر متبادر معنی مراد لئے جائیں۔ تو اسے بھی معنی غریب کہینگے۔ اور اگر نادر مراد لئے گئے ہیں۔ تو اس پر بھی غریب کا اطلاق کیا جائیگا۔ اور علم غریب الحدیث کے معنی یہ ہیں کہ اس فن میں حدیث کے لغات نادرہ اور تحقیق نادر سے بحث ہوتی ہے اور بعض خاص قبائل کے مصطلحات و محاورات جو عرب میں عام طور پر بولے نہ جاتے تھے۔ اور وہ حدیث میں کسی نہ کسی طرح آگئے ہیں۔ ان کی تحقیق ہوتی ہے۔ سب سے پہلے ابو عبیدہ معمر بصری نے اس فن میں ایک مختصر سی کتاب لکھی۔ اس اختصار کی وجہ ان کی علمی کم مائیگی نہ تھی۔ بلکہ عموماً جب کوئی پہلی کتاب کسی نئے موضوع پر لکھی جاتی ہے۔ تو مختصر ہوتی ہے۔ اور دوسرے یہ کہ جس زمانہ کی یہ تصنیف ہے۔ وہ اسلامی علوم کا زندہ دور تھا۔ اور آج کی طرح عام جہالت نہ تھی۔ اس کے بعد ابو الحسن نصر ابن شہیل المازنی نے ایک کتاب لکھی۔ جو ابو عبیدہ کی کتاب سے وسیع تر تھی۔ اور تفصیلی مباحث تھے پھر عبد الملک ابن قریب الاصمعی نے ایک کتاب لکھی۔ عبد الملک اگرچہ ابو عبیدہ کے زمانے کے تھے۔ لیکن تصنیف ان کے بعد کی ہے۔ اور بہت خوب لکھا ہے۔ اسی طرح بہترے علما فقہ و حدیث اس فن میں کتابیں لکھتے رہے۔ یہاں تک کہ ابو عبیدہ القاسم ابن سلام کا زمانہ آیا۔ اور انہوں نے اپنی



مشہور کتاب دو غریب الحدیث والاثر لکھنا شروع کی، اور اپنی عمر اسی میں  
 تمام کر دی، ان کا خیال تھا۔ کہ اس کتاب کے بعد اب شاید ہی کوئی غریب  
 حدیث اس کے دائرہ سے باہر رہ گئی ہو۔ لیکن معاملہ اس کے برعکس تھا۔ اور  
 حقیقت یہ تھی۔ کہ ابھی اس سے کہیں زیادہ سرمایہ حدیث نامکمل صورت میں  
 پڑا تھا۔ ان کی کتاب مسلم ابن قتیبہ المدینوری کے وقت تک لوگوں کی معتبر علیہ  
 رہی۔ یہاں تک کہ عبداللہ ابن مسلم ابن قتیبہ المدینوری نے اپنی مشہور کتاب لکھی  
 اور انہوں نے بھی اپنے مقدمہ میں یہ لکھ دیا۔ کہ میرا گمان ہے۔ کہ میری اور ابو عبیدہ  
 کی کتاب کے بعد شاید کوئی غریب حدیث باقی رہ گئی ہو۔ جس کی تفصیل کی لوگوں کو  
 حاجت پڑے۔ اسی طرح دیگر علماء بھی کتابیں لکھتے رہے۔ علامہ زحشری نے  
 بھی اس فن پر احسان کئے۔ اور اپنے دور میں اس فن کی ایک بہتر کتاب ترتیب  
 دی۔ لیکن اس فن کے آخری ہیرو مجدالدین مبارک ابن محمد بن محمد الشیبانی المعروف  
 باین الاثیر الجندی ہیں۔ جنہوں نے اس فن کی تکمیل کی۔ اور ان کے بعد اس سلسلہ  
 میں تصنیف کا خاتمہ ہو گیا۔ ان کی کتاب کا نام "المنہات فی غریب الحدیث والاثر"  
 نہایت کا ایک نیل محمود ابن ابی بکر الارموی کا ہے۔ دوسرا جلال الدین سلوطی کا جس کا نام  
 الدر المنثور فی نہایت ابن الاثیر اور ایک کا نام التذیل والتهذیب علی نہایت الغریب ہے

## علم رجال الحدیث

حدیث دو چیزوں کے مجموعہ کا نام ہے۔ تین اور سند۔ سند کے معنی رواۃ  
 کے ہیں۔ اور علم رجال میں رواۃ کے احوال سے بحث ہوتی ہے۔ کیونکہ  
 حدیث کی صحت و سقم کا معلوم کرنا رجال کے علم کے بغیر ناممکن ہے  
 اس لئے قدرتی طور پر رجال کا علم اتنا مہتمم بالشان من ہے۔ کہ اس کی  
 واقفیت کے بغیر حدیث کی واقفیت کا دعویٰ غلط ہے۔ اسما و رجال  
 کی بھی بہت سی شقیں ہیں۔ اسما صحابہ، اسما عامۃ رواۃ اسما و الثقات،



اسماء الصغفاء - اسماء اہل مدین ، اسماء الوضاعین - اسماء متولف مختلف  
متفق مفترق بیان انساب ، ذکر و نیات وغیرہ - اور ان میں سے ہر ایک  
کے اندر تصنیفیں کی گئی ہیں۔

## اسماء الصحابہ

صحابی ہر وہ شخص ہے جس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ایمان کے ساتھ ملاقات  
کی۔ اور ایمان ہی کے ساتھ وفات پائی۔ سب سے پہلا شخص جس کے متعلق یہ کہا  
جا سکتا ہے کہ اس نے اس فن میں کتاب لکھی۔ وہ امام بخاری ہیں۔ خاص اسماء  
صحابہ میں ایک کتاب لکھی۔ پھر آوروں نے اس فن میں خامہ فرسائی کی۔ جیسے خلیفہ  
ابن الجیاط محدث النساب المتوفی ۲۴۰ھ محمد بن سعد المتوفی ۲۳۰ھ جن کی تصنیفات  
سے تقریباً پندرہ کتابیں ہیں۔ اور ان کے ہم عصر یعقوب ابن سفیان المتوفی ۲۴۶ھ  
ابو بکر ابن خیشمہ المتوفی ۲۶۹ھ وغیرہ اور ان کے بعد بھی صرف اسماء صحابہ میں ایک  
جماعت نے کتابیں لکھیں۔ جیسے حافظ عبد اللہ ابن محمد ابن عبد العزیز البغوی المتوفی  
۳۵۳ھ ابو بکر عمر ابن احمد المعروف بابن شاہین المتوفی ۳۸۵ھ ابو منصور الباردوی  
ابو حاتم الرازی ابن حبان المتوفی ۳۵۴ھ سلیمان ابن احمد الطبرانی المتوفی ۳۷۰ھ  
نے اپنی معجم میں ان کے بعد عبد اللہ ابن اسدہ المتوفی ۳۵۵ھ حافظ ابو نعیم المتوفی  
۳۷۳ھ ان کے بعد عمر ابن عبد البر نے اپنی کتاب الاستیعاب لکھی۔ استیعاب  
نام اس لئے رکھا۔ کہ اپنے نزدیک انہوں نے اگلوں پچھلوں بھوں کی باتیں  
اس میں جمع کر دی ہیں۔ لیکن بہت کچھ باقی بھی رہ گیا۔ اس کے بعد اس کا ایک  
وسیع ذیل ابو بکر ابن فتحون نے کیا۔ اور اس کے اوپر علماء کی ایک ایک جماعت نے  
اچھے اچھے ذیل لکھے ہیں۔ اسی طرح ابن مندہ کی کتاب پر بھی ابو موسیٰ المدینی نے  
ایک بڑا ذیل لکھا۔ لوگوں کی تصنیف کا یہ سلسلہ یہاں جاری رہا۔ یہاں تک کہ



ساتویں صدی میں عزالدین ابن الاثیر المہتونی <sup>۶۳۰ھ</sup> نے ایک جامع کتاب لکھی جس کا نام اسد الغابہ رکھا۔ اور اگلے مُصنّفین کے سارے مواد اس میں جمع کر دئے لیکن اس کے ساتھ غلطیوں میں بھی اگلوں کی تقلید کی اور صحابی غیر صحابی میں اکثر خلط کر دیا۔ اور ان کی اکثر غلطیوں سے چشم پوشی کی۔ اسکے بعد ابو عبد اللہ ذہبی نے اپنی کتاب التجرید میں اسکی غلطیوں سے آگاہ کیا۔ نیز جن لوگوں کو صحبت نہ تھی۔ اسے بھی آگاہ کیا۔ لیکن وہ بھی اسکی تکمیل نہ کر سکے۔ ان کے بعد حافظ ابن حجر کا زمانہ آیا۔ تو انہوں نے الاصابہ فی تمیز الصحابہ آٹھ جلدوں میں لکھی۔ استیعاب اسد الغابہ اور ان کے ذیلوں کو اس میں جمع کیا۔ اور ان پر استدراک کیا۔ بعد میں اصحابہ کا اختصار ان کے شاگرد جلال الدین سیوطی نے کیا جس کا نام عین الاصابہ رکھا۔

نیز بخاری و مسلم نے ان صحابہ کے اسماء میں بھی کتابیں لکھی ہیں۔ جن سے صرف ایک ہی حدیث پہنچی ہے۔ اسی طرح یحییٰ ابن عبد الوہاب ابن مندہ الاصبہانی المہتونی <sup>۱۱۵ھ</sup> صحیحی نے ان صحابہ کے اسماء میں ایک کتاب لکھی۔ جنہوں نے ایک سو بیس سال کی عمر پائی۔

## ”علم الجرح والتعديل“

اس علم میں راویوں کے احوال سے بحث ہوتی ہے۔ اور ان کے ثقہ غیر ثقہ ہونے پر غور کیا جاتا ہے۔ اس کی ضرورت یوں پڑی۔ کہ اسلام میں جب فنن کے دروازے کھل گئے۔ اور لوگوں نے اپنے مذاہب و خیالات کی تائید میں حدیثیں گرٹھنا شروع کیں۔ تو حدیثوں کے لینے میں بڑی دقتیں ہونے لگیں۔ محدثین کرام نے عام طور پر حدیثیں سننے سے احتراز کیا۔ اور آئیے نے ہر حدیث کے لئے دو شاہدوں کی قید لگا دی، لیکن یہ صورت ہمیشہ قائم نہیں رہ سکتی تھی



اور صحیح، غیر صحیح کا پتہ لگانا بھی شریعت کی نفا کے لئے ضروری تھا۔ اس لئے راویوں کی عدالت و وثوق حفظ بالحدیث وغیرہ کی چھان بین ہونے لگی۔ اور یہی چیز رفتہ رفتہ ایک مستقل فن کی صورت میں قائم ہو گئی۔ حاشا اس سے مقصد لوگوں کی تنقیص نہ تھی۔ بلکہ شریعت کا استحفاظ تھا۔ جرح و تعدیل روایہ تو خود حضرت سولہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی ثابت ہے۔ لیکن جب یہ ایک مستقل فن ہو گیا۔ تو جس طرح ہر ایک فن کے لئے علماء کا ایک طبقہ ہوتا ہے۔ جس میں اس کی رائے موثق مانی جاتی ہے۔ اسی طرح اس کے لئے بھی علماء کا ایک گروہ تھا۔ جس کی رائے روایہ کی موثق و جرح کے لئے قابل قبول تھی۔ صحابہ میں ابن عباس، انس، عبادہ ابن الصامت رضی اللہ عنہم تابعین میں ابن سیرین، شعبی، سعید ابن المسیب اور ان کے علاوہ بے شمار علماء تھے۔ ان کے بعد ابو حنیفہ مالک، سفیان اور زاعی ابن المبارک، حماد ابن سلمہ، لبث ابن سعد، ان کے بعد عبداللہ ابن المبارک ابن عینیہ ابن علیہ، ابن وہب، وکیع ابن الجراح، یحییٰ ابن سعید القطان عبدالرحمن ابن مہدی یحییٰ ابن سعید احمد ابن حنبل وغیرہ۔ ان کے علاوہ ساتویں آٹھویں صدی تک بے شمار علماء اس فن کے لئے مشہور گذرے ہیں۔ جن کے نام ذیل میں گنائے جاتے ہیں اصل یہ ہے۔ کہ امام مالک اور سفیان یا لیث ابن سعد کے زمانہ تک اس خاص فن میں مستقل کتابیں تصنیف نہ ہو سکی تھیں۔ لیکن ان کے بعد اس فن میں تصنیفی سلسلہ بھی شروع ہو گیا۔ مثلاً محمد ابن سعد کا تب الواقدی نے اپنی کتاب طبقات میں اس فن کے رجال سے بڑی بحث کی۔ اسی طرح ابو خیمہ زہیر ابن حرب اور ابو جعفر عبداللہ ابن محمد ابنیل حافظ الجزیریہ جن کے متعلق ابوداؤد کا خیال ہے۔ کہ ان سے زیادہ حفظ میں نے کسی کو نہیں پایا۔۔۔ علی ابن المدینی بھی جو اس فن کے امام ہیں۔ علل و رجال کے حالات میں ان کے بھی بہت رسالے ہیں۔ اسی صف کے بیٹھنے والوں میں محمد بن عبداللہ ابن میسر جن کو امام احمد عراق کے مولیٰ کہا کرتے تھے۔ ابوبکر ابن ابی شیبہ صاحب المسند جو آتہ فی الحفظ کے نام سے موسوم تھے۔ عبداللہ ابن



عمر القواریری جن کے متعلق اعلم بسجدت ہونے کا فتویٰ تھا۔ اسحاق بن راہویہ جو  
امام خراسان و اہل المشرق تھے۔ ابو جعفر محمد بن عبداللہ بن عمار الموصلی، احمد  
ابن صالح حافظ مصر، ہارون ابن عبداللہ الحمال، وغیرہ ہیں۔ اور یہ سارے باتفاق  
امت علماء جرح و تعدیل میں شمار کئے گئے ہیں۔

ان کے بعد انہیں کے لگ بھگ اس فن کا ایک اور طبقہ پیدا ہوا جن  
میں اسحاق الکوسج داری، بخاری، عجلی الحافظ تریل المغرب، پھر ابو ذر عمہ ابو حاتم  
الرازی، مسلم، ابو داؤد بقی ابن محمد ابو ذر عمہ دمشقی وغیرہ کا نمبر ہے۔ ان کے  
بعد عبدالرحمن ابن یوسف البغدادی ان کی ایک خاص تصنیف بھی اس فن  
کے اندر ہے۔ ابراہیم ابن اسحاق الحرابی، محمد ابن وضاح حافظ قرطبہ ابو بکر ابن  
ابی عاصم، عبدالرحمن ابن احمد، صالح جزیرہ، ابو بکر البزار، محمد ابن نصر المروزی  
یہ احناف کے مقابلہ میں ذرا متعصب ہیں۔ محمد ابن عثمان ابن ابی شیبہ محدثین  
انہیں ضعیف کہتے ہیں۔ لیکن دوسروں کی جرح و تعدیل میں انہیں موثق مانا  
جاتا ہے۔ (یہ بھی عجیب امر ہے) ان کے بعد ابو بکر القاریابی، نسائی، ابو یعلیٰ  
ابو الحسن سفیان، ابن خزیمہ، ابن جریر طبری، ابو جعفر طحاوی، ابولابی، ابو عروبة الخرقانی  
ابو الحسن احمد ابن عمر، ابو جعفر نقیعی، ان کے بعد ابو حاتم احمد ابن نصر البغدادی  
شیخ الدار قطنی وغیرہم ہیں۔ پھر ان کے بعد ابو حاتم ابن حبان البستی، طبرانی  
ابن عدی الجرجانی، اور غالباً ان کی کتاب جرح و تعدیل کے فن کی آخری کتاب ہے  
ان کے بعد اس فن کا ایک اور سرگرم طبقہ پیدا ہوا۔ جن میں ابو علی الحسین ابن محمد  
النیشاپوری جن کی ایک معلیٰ سند ایک ہزار تین سو چوبیسوں کے اندر لکھی گئی،  
ابو ایوب احمد ابن۔ ان، ابو بکر الاسماعیلی، ابو احمد الحاکم، دارقطنی وغیرہ ہوئے۔ ان  
کے بعد ابن منذر ابو عبد اللہ الحاکم، ابونصر الکلاباذی۔ عبدالرحمن ابن قطیس، قاضی  
قرطبہ جن کی دلائل السنۃ ایک مشہور کتاب ہے۔ عبدالغنی ابن سعید، ابو بکر  
ابن مردویہ الاصفہانی ان کے بعد محمد ابن ابی القوارس البغدادی، ابو بکر البرقانی



ابو حاتم البدری، جرح و تعدیل کے متعلق دس ہزار سلسلے ان کے شاگردوں نے ان سے لکھے ہیں۔ حلف ابن محمد الواسطی، ابو مسعود الدمشقی، ابو الفضل الفلکی ان کی کتاب طبقات کے اندر سو جلدوں میں ہے۔ پھر ان کے بعد حسن محمد بن الخلال البغدادی، ابو یعلیٰ الخلیلی وغیرہ ہیں۔ ان کے بعد ابن عبد البر ابن حزم اندلیس، بیہقی، خطیب وغیرہ داخل ہیں۔ ان کے بعد ابن ماکولا، ابو الولید الباجی، ابن ابی عمیر، عبد اللہ الحمیدی نے بھی ایک کتاب اس میں تصنیف کی ہے۔ پھر ان کے بعد ابو الفضل ابن طاہر المقدسی، موتن ابن احمد شہر ویہ الدیلمی، ان کے بعد موسیٰ المدینی، ابو القاسم ابن عساکر ابن بشکوال، ان کے بعد ابو بکر الحجازی، عبد اللہ المقدسی، رباوی، ابن المفضل المقدسی، ان کے بعد ابو الحسن ابن القطان، ابن الانماطی، ابن نقطہ، ان کے بعد ابن الصلاح، ذکی المندری، ابو عبد اللہ البرزانی ابن الآبار، ابو شامہ، ان کے بعد ابن دقین البید، شرف المیدومی، ابن تیمہ ربہ جرح و تعدیل کے بارے میں اہل اسلام کے نزدیک تشدد سمجھے جاتے ہیں۔ اور ان کی رائے (بغیر تحقیق بلیغ قابل قبول نہیں) ان کے بعد مزنی ابن سید الناس ابو عبد اللہ ابن ابیہک، ذہبی، شہاب ابن فضل اللہ مغلانی، شریف حسین دمشقی زین العزاقی، ان کے بعد ولی العزاقی، برہان الخلیلی، ابن حجر عسقلانی بدرالدین علی وغیرہ اس فن کے اساطین میں گذرے ہیں۔ ان کے بعد بھی کچھ لوگ اس فن کیلئے مستعد مانے جاتے تھے۔ ناموں کی کثرت سے شاید گھبرا گئے ہوں گے۔ لیکن اگر نظر غور سے دیکھیں۔ تو معلوم ہوگا۔ کہ منکرین حدیث جو آج روایت حدیث پر خلط و ملط اور کذب و افتراء کا ایک پل باندھ رہے ہیں۔ اس کی حقیقت کیا رہ جاتی ہے۔ اور یہ فتنہ جو درحقیقت مستشرقین یورپ کا پروردہ ہے۔ ہندوستان کی سرزمین پر بھی بہت نمایاں ہو چکا ہے۔ اور اس سلسلہ میں نفس حدیث کے وجود و صحت سے انکار کیا جا رہا ہے۔ اور اس کی دلیل فقط یہ ہے۔ کہ اسلام میں واضعین حدیث کی ایک کثیر جماعت پیدا ہو گئی تھی۔ جس نے بہت



سی حدیثیں بنا کر صحیح و غیر صحیح کو مشتبہ کر دیا۔ لیکن اسے کاش اگر وہ تھوڑی سی توجہ کے ساتھ بھی اس امر کا مطالعہ کرتے (کہ ان علما نے جن کے اسماء اوپر گزرا ہے) ان میں سے ہر ایک نے اصل مقصود کے چہرے سے حجاب کا پردہ اٹھا دیا ہے۔ اور ان کی پوری چھان بین کر لی ہے۔ اور آج انہیں کی برکتوں سے کوئی ایک واضح حدیث یا کوئی ایک موضوع حدیث بھی ایسی نہیں رہی۔ جس کو امت نے جان نہ لیا ہو، تم محدثین کی کتابیں دیکھو۔ کہ انہوں نے علم الجرح و التعدیل کا من ہی اس لئے مدون کیا۔ کہ وہ راویوں کی صحیح چھان بین کریں۔ اور ہر ایک کے اخلاق سے دنیا کو رد شناس کریں۔ کوئی ایک واضح حدیث بھی مجھے بتاؤ۔ جس کا وضع کسی نہ کسی وقت کھل نہ گیا ہو۔ اور دنیا نے یہ نہ جان لیا ہو۔ کہ فلان کذاب و ضائع ہے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس مجموعہ کلام کو محض اس لئے مشتبہ کرنا کہ کچھ لوگ ایسے پیدا ہو گئے تھے۔ جنہوں نے حدیثیں وضع کرنی شروع کر دی تھیں۔ کہاں تک صحیح ہو سکتا ہے۔ اور اس کے باوجود اگر یہی کہا جائیگا۔ تو پھر علم الجرح و التعدیل کی کتابوں کو ایک جھوٹا افسانہ کہنا پڑیگا۔ اس تفصیل کے بعد ذرا اس فن کی تصنیفوں کی طرف نظر ڈالئے۔

علم الجرح و التعدیل میں متعدد صورتوں سے کتابیں لکھی گئیں۔ بعض ثقہ و غیر ثقہ دونوں قسم کے راویوں کے حالات میں اور بعض صرف ثقہ یا صرف ضعیف یا بدلس راویوں کے حالات میں اور بعض مخصوص کتابوں کے رجال کی تحقیق میں لکھی گئیں۔

## ممنوع کتابیں

طبقات محمد ابن سعد الزہری البصری اس فن کی اعلیٰ ترین کتاب ہے۔



اس کی پندرہ جلدیں ہیں۔ اس میں صحابہ و تابعین اور اسکے بعد تک کے لوگوں کے حالات مذکور ہیں۔ اس کا ایک اختصار سیوطی نے ابن خلدون اور عدمن طبقات ابن سعد کے نام سے کیا ہے۔ طبقات خلیفہ ابن النجاشی، و مسلم ابن الحجاج تاریخ ابن ابی خنیسہ، بخاری کی تینوں تاریخیں پھر بخاری کی تاریخ کبیرہ پر مسلم کا ایک ذیل اور ابن ابی حاتم کا ایک بڑا حصہ تصنیف جس میں انہوں نے امام بخاری پر تنقیدیں کیں ہیں۔ اس کے ساتھ خود ابن ابی حاتم نے ایک رسالہ جرح و تعدیل میں لکھا ہے۔ جس میں انہوں نے امام بخاری ہی کی تقلید کی ہے نیز حسین ابن ادریس انصاری المعروف بابن حزم نے ایک تاریخ امام بخاری کی تاریخ جیسی لکھی ہے۔ اور علی ابن المدینی نے ایک تاریخ دس جلدوں میں لکھی۔ ابن جہان نے تاریخ ابوہام کے دو میں ایک کتاب دس جلدوں میں لکھی یہ اور ان کے علاوہ بے شمار کتابیں فن کی اس خاص شق میں لکھی گئی ہیں۔

## کتاب الثقات

کتاب الثقات للعجلی، کتاب الثقات لخلیل ابن شاہین کتاب الثقات لابن حاتم ابن جہان البستی، کتاب الثقات لقاسم ابن قطلوبغا الحنفی (یہ ان لوگوں کا بیان ہے۔ جو صحاح ستہ میں نہیں، ان کے علاوہ ذہبی ابن الدباغ ابن المنفلوطی، ابن حجر، سیوطی نے بھی اس میں خاص طور پر کتابیں لکھیں ہیں۔



## کتاب الضعفاء

کتاب الضعفاء للبخاری، کتاب الضعفاء والمتروکین للنسائی و لابن الفرج  
ابن الجوزی ان کی کتاب کا اختصار ذہبی نے کیا ہے۔ پھر ذہبی اور علماء الدین <sup>مغلطائی</sup>  
نے اس پر ایک ذیل لکھا ہے۔ کتاب الضعفاء محمد ابن عمر القسطنطینی و امام محمد ابن  
حسن الصنعانی و محمد ابن حبان البستی ابن حبان کی کتاب ان سبھوں میں جامع  
ہے۔ اور ابن عدوی کی کامل بھی اس فن کی کامل ترین کتابوں میں سے ہے۔ اور  
محدثین کی معتمد علیہ ہے۔ اس کا ایک ذیل ابو الباس احمد بن محمد الاشجلی نے  
کیا ہے۔ جس کا نام (الحافل رکھا ہے) اور حاکم، دارقطنی، علماء الدین  
المارونی نے بھی کتاب الضعفاء لکھی ہیں۔ ذہبی کی میزان الاعتدال بھی اس  
فن کی بہتر کتاب ہے۔ مصر اور ہندوستان دونوں ملکوں میں چھپ گئی ہے  
اس کا ایک ذیل حافظ زین الدین العراقي نے کیا ہے۔ اور حافظ ابن حجر نے  
اس میں ان راویوں کو چن لیا ہے۔ جو تہذیب الکمال میں نہ تھے۔ اور اپنی  
کتاب لسان المیزان میں انہیں داخل کیا ہے۔ اس فن میں ان کی دو کتابیں  
اور ہیں۔ تقویم اللسان، تخریر المیزان۔ ان مذکورہ کتابوں کے علاوہ اس فن  
میں اور بہت سی کتابیں لکھی گئی ہیں۔

## کتب المدلسین

اس کی طرف سب سے پہلے امام حسین ابن علی الکرابیسی نے توجہ کی  
پھر نسائی نے ان کے بعد دارقطنی نے ذہبی نے اس میں ایک مختصر سی نظم  
لکھی۔ پھر ان کے شاگرد احمد ابن ابراہیم المقدسی نے اس نظم میں کچھ اور اشعار



بڑھائے۔ اور علانی کی جامع التحصیل سے بہت سے ایسے ناموں کا اضافہ کیا جن کو ذہبی نے چھوڑ دیا تھا۔ پھر زین الدین عراقی نے کتاب العلانی کا ایک ذیل لکھا۔ اور اس سلسلہ میں کچھ اسماء کا اور اضافہ کیا۔ اس کے بعد ان کے بیٹے ولی الدین عراقی نے علانی کی کتاب کے ساتھ ملا کر اس کو مستقل تصنیف بنا ڈالا۔ اور کچھ اور نام اپنی طرف سے بڑھائے۔ اور اسی طرح ابراہیم ابن محمد العلبی نے "د البین فی اسماء المدلسین" کے نام سے ایک کتاب لکھی۔ اور ان بہت سے ناموں کا اضافہ کیا۔ جنہیں یہ لوگ چھوڑ گئے تھے۔ علانی کی پوری کتاب ۶۸ افراد پر مشتمل ہے۔ جس میں ابن العراقی نے پندرہ کا ابن العلبی نے ۳۲ کا ابن حجر نے ۱۳۹ اسماء کا اضافہ کیا۔ الغرض علانی کی پوری کتاب کے افراد کی مجموعی تعداد ایک سو باون نفوس ہو گئے۔ سیوطی نے بھی ایک رسالہ اسماء المدلسین میں لکھا ہے۔

## مخصوص کتابوں کے رجال

رجال البخاری لاحمد بن محمد انکلا باذی و محمد بن داؤد الکردی، رجال مسلم لاحمد بن علی المعروف بابن منجوب و لاحمد بن علی الاصبہانی محمد بن طاہر المقدسی نے بخاری و مسلم کے مجموعی راویوں کو جمع کیا۔ گویا ابن منجوب اور انکلا باذی دونوں کی کتابیں ایک ساتھ جمع کر دیں۔ اور بہت عمدہ ترتیب سے جمع کیں۔ اور جا بجا استدراک بھی کرتے گئے ہیں۔ نیز ان دونوں کی کتابوں کو بہتہ اللہ المعروف باللائکانی نے بھی جمع کیا ہے۔ ابو داؤد کے راویوں کو حسین ابن محمد البجائی، موطا کے سیوطی، مشکوٰۃ کے خود اس کے مصنف محمد بن عبداللہ الخطیب نے جمع کئے ہیں، اور مسند ابو حنیفہ موطا مالک، مسند شافعی، مسند احمد کے راویوں کو ابن حجر نے اکٹھا کیا ہے۔ اور سنن اربعہ، ابن ماجہ، ترمذی، نسائی، ابو داؤد کے راویوں کو احمد بن احمد ابن الکردی



نے جمع کیا ہے۔ اور پوری صحاح ستہ کے رجال ابو محمد عبد الغنی بن عبد الواحد بن مسرور دمشقی نے اپنی کتاب الاکمال فی معرفۃ الرجال میں جمع کئے ہیں۔ اسکی تہذیب جمال الدین یوسف ابن الزکی المزہبی نے کی ہے۔ یہ ایک ضخیم کتاب ہے۔ جو تیرہ جلدوں میں منقسم ہے۔ اس فن میں ایسی کوئی کتاب نہیں لکھی گئی۔ اور اسی فن میں اکمال التہذیب لعمر ابن علی الملقب، زوائد الرجال علی تہذیب اکمال لیسو طی تہذیب کے بہت سے مختصرات جن میں کی ایک ذہبی کی کاشف بھی ہے۔ لکھی گئیں۔ ذہبی اپنی کاشف کے متعلق لکھتے ہیں۔ اس میں انہیں راویوں کے ذکر پر اکتفا کی گئی ہے۔ جو صحاح ستہ میں مذکور ہیں۔ اس کا اختصار مزہبی کی تہذیب اکمال سے کیا گیا ہے۔ اور صحیحین اور سنن کے رجال کے علاوہ ان کی کتاب میں اور جتنے زوائد تھے۔ ان سے کوئی بحث نہیں کی گئی۔ اس فن کی ایک اکل کتاب ابن حجر کی تہذیب التہذیب ہے۔ ذہبی کی کاشف سے اس کا مرتبہ ملتا ہے۔ ابن حجر نے اس میں اکثر روایہ کا ترجمہ بڑھایا ہے۔ اور جس طرح اپنی تقریب التہذیب میں اختصار سے کام لیا ہے۔ بالکل اس کے برعکس یہاں پھیلاؤ و وسعت دی ہے اور ہر راوی کے ترجمہ کو بڑی وضاحت سے بیان کیا ہے۔ اور اسی فن میں ابوالحسان دمشقی نے ایک کتاب التذکرہ فی رجال العشرہ لکھی ہے۔

## ”وفیات المحدثین“

یوں تو علم رجال حدیث کے اکثر مصنفین روایہ کے ترجمہ کے ساتھ ان کے اموات کی تاریخیں بھی درج کرتے ہیں۔ لیکن علما کی ایک معتد بہ جماعت نے صرف وفيات میں کتابیں لکھی ہیں، ابو سلیمان محمد بن عبد اللہ الحافظ نے سنہ ہجرت سے لیکر ۳۳۵ھ تک کے راویوں کے وفيات لکھے۔ پھر ابو محمد ابن عبد العزیز لکنانی الحافظ نے اس کا ایک ذیل لکھا۔ پھر کنانی کی کتاب پر صیبتہ اللہ ابن احمد الکنانی



نے ایک مختصر ذیل لکھا۔ اور ۴۸۵ھ تک کے راویوں سے بحث کی۔ پھر کفانی پر علی بن مفضل المقدسی نے ذیل لکھا۔ اور ۵۸۱ھ تک پہنچے۔ پھر ابن مفضل کی کتاب پر عبد العظیم بن عبد القوی المنذری نے ایک بڑا ذیل تین جلدوں میں لکھا۔ جس کا نام التکمات لوفیات المنقلہ رکھا، پھر منذری کا ایک ذیل ان کے شاگرد عزالدین احمد بن محمد نے کیا۔ اور ۶۶۴ھ تک کے راوی جمع کئے۔ پھر عزالدین کی کتاب کا ذیل احمد بن ابیک الدمیاطی نے کیا۔ اور ۷۴۹ھ تک کے راوی جمع کئے۔ پھر ابن ابیک کے ذیل پر حافظ زین الدین عراقی نے ایک ذیل لکھا۔ اور یہ تمام تصنیفیں مہینوں اور سالوں کے اعتبار سے مرتب کی گئیں۔ حروف صحیح کی ترتیب پر نہیں لکھی گئیں۔ اور اس فن کی ایک کتاب تاریخ البرزالی بھی ہے۔ جس کا ذیل تقی الدین ابن رافع نے کیا ہے۔ اور ۸۳۷ھ سے لیکر ۸۶۴ھ تک کے رواۃ کے وفیات جمع کئے ہیں۔ پھر تقی الدین کے ذیل پر ابن حجر نے ایک دوسرا ذیل لکھا۔ نیز اس فن میں وفیات الشیوخ لمبارک ابن احمد الاضاری اور کتاب الوفيات لابراہیم ابن اسماعیل المعروف بالبحیال بھی ہیں۔

## اسماء کنیتیں اور لقبوں کی شناخت

رواۃ حدیث میں بہت ایسے ہیں جو اپنے ناموں ہی سے مشہور ہیں۔ اور بہت ایسے ہیں جو بجائے ناموں کے لقبوں اور کنیتوں سے مشہور ہیں۔ علمائے دونوں طرح کے راویوں کے اسماء اور کنیتیں اور القاب لکھے ہیں۔ بعضوں نے صرف ان راویوں سے بحث کی۔ جو کنیت و لقب رکھتے ہیں۔ لیکن مشہور اپنے ناموں کے ساتھ ہیں۔ اور بعضوں نے ان کو جو لقب اور کنیتوں کے ساتھ مشہور ہوتے والوں کے اسماء لکھے، اس سے ان کا مقصود یہ تھا۔ کہ ایک راوی دوسرے کے ساتھ مشتبہ نہ ہو جائے۔ اور کسی ایک کا لقب یا کنیت دوسرے کے لئے علم نہ بن جائے



کیونکہ اس کا لازمی نتیجہ ثقہ کی تصنیف صادق کی تکذیب، غیر عدل کی تعدیل وغیرہ ہے۔  
 پہلی قسم میں علی ابن ابی طالب، حاکم، ابن عبدالبر اور بہت سے محدثین  
 نے کتابیں لکھیں۔ ذہبی نے بھی کتاب المقتنی فی سیر والاسماء واکتفی لکھا۔ یہ  
 اس فن کی بہترین کتاب ہے۔

دوسری قسم میں ابو حاتم ابن حبان البستی، ابو بکر فلکی ابن الجوزی، ابن حجر  
 عسقلانی نے کتابیں لکھیں، ابو بکر فلکی کی کتاب کا نام منشی الکمال ہے۔

## مؤلف، مختلف، متفق، منفرق اور مشہور اسماء

### وانساب کا بیان

سب سے پہلے ان اصطلاحات کی تعریف معلوم کرنی چاہئے۔ کیونکہ ان  
 یاریک ووقیف فنون کے علم سے پہلے کتابوں کا علم بیکار ہے۔ اسماء و انساب  
 میں بعض تو ایسے ہیں جو کتابتہ متحد ہیں۔ لیکن تلفظاً مختلف جیسے <sup>سلا</sup>م تھبیت اللام  
 اور سلام تھبید اللام، اسماء اور انساب کی اس صنف کا نام مؤلف و مختلف ہے  
 اور بعض ایسے ہیں جو تلفظاً اور تکلفاً دونوں حیثیتوں میں متحد ہیں لیکن معنی کے  
 اعتبار سے مختلف، جیسے خلیل ابن احمد کہ یہ مختلف لوگوں کا نام ہے۔ اور اس  
 صنف کا نام متفق اور منفرق ہے۔ ان کی ایک صورت یہ ہے کہ اسماء لفظ  
 اور خط دونوں میں متحد ہوں۔ لیکن آبا یا نسب کی حیثیت سے مختلف ہوں۔ یا  
 اس کا عکس ہو جیسے محمد ابن عقیل بکسر التماز اور محمد ابن عقیل بفتح التماز اور  
 سراج ابن النعمان اور سراج ابن النعمان پہلا سین ہملہ اور جمیم کے ساتھ اور



اور دوسرا شین معجمہ اور حاء ہملہ کے ساتھ، لیکن ان اقسام کی شناخت فرا  
 و شوار ہے۔ علی ابن المدینی کہتے ہیں۔ سب زیادہ تصحیف اسماء میں واقع ہوتی  
 ہے۔ کیونکہ یہ چیز ایسی ہے۔ جس میں نہ تو قیاس چل سکتا ہے۔ اور نہ اس کے  
 قبل یا بعد کوئی ایسی علامت ہوتی ہے۔ جس سے اس کا پتہ لگایا جاسکے دوسری  
 وجہ یہ ہے کہ اس میں دو ذاتوں کے ایک ہو جانے کا گمان کیا جاتا ہے۔ جبکہ  
 دونوں کے نام ایک ہوں۔ اور اس صورت سے راویوں میں خلط ہو جاتا ہے  
 محدثین نے ان میں کی ہر ایک قسم میں تصنیفیں کی ہیں۔ پہلی قسم میں ابوالحدا لکھری  
 نے ایک تصنیف کی۔ پھر عمید ابن سعید نے اس میں ایک کتاب لکھی۔ اور اس  
 کے دو جزے۔ ایک مشتبه الاسماء اور دوسرا مشتبه النسبہ میں، اور ان کے  
 شیخ دارقطنی نے بھی ایک جامع کتاب اس فن میں لکھی ہے۔ پھر احمد ابن  
 علی الخلیب نے ایک ذیل لکھا۔ جس کا نام مؤلف فی تکماتہ المختلف رکھا۔ پھر  
 ان تمام کا مجموعہ ابو نصر علی ابن ہبہ اللہ ابن ماکولانے کیا۔ اور اس کا نام الاکمال  
 رکھا۔ اور اگلے مصنفین پر استدراک کرتے ہوئے ان کے اوہام دفع کئے۔  
 ان کی کتاب تمام کتابوں میں جامع ہے۔ اور تمام پچھلے محدثین کے لئے نمونہ  
 عمل، پھر محمد ابن عبدالغنی المعروف بابن نقطۃ الخلیب نے ایک ضخیم جلد میں  
 اس پر استدراک کیا، اور ان کی فروگزاشت کو تفصیل بیان کیا۔ پھر اس  
 کا ایک ذیل منصور ابن سلیم اور ابو محمد ابن علی دمشقی نے کیا۔ اور ان دونوں کے  
 ذیل پر علماء الدین مغلطائی نے ایک ذیل لکھا۔ لیکن اس کا اکثر حصہ شعرا عرب  
 کے اسماء و انساب پر مشتمل ہے۔ ذہبی نے بھی اس فن میں ایک کتاب لکھی۔  
 لیکن اس میں غلطیاں کیں۔ اور اصل موضوع کے مخالف بھی بہت سی باتیں  
 درج کر دیں۔ غالباً یہ کتاب محض مسودہ ہی کی صورت میں تھی۔ جس کی وہ تکمیل  
 نہ کر سکے۔ حافظ ابن حجر نے اس کی غلطیوں کو اپنی کتاب تبصیر المنتبه۔ بخرب  
 المنتبه میں واضح کیا۔ اور ذہبی نے جو کچھ چھوڑ دیا تھا۔ یا جن سے وہ آگاہ ہی



نہ تھے۔ اس کا اضافہ کیا۔ اور اسی فن میں یحییٰ ابن علی المصری المورخ، محمد ابن احمد البیوردی اور عبدالرزاق المعروف بابن الفوطی، علی ابن عثمان المار دینی نے تصنیفیں کیں۔ عبدالرزاق کی کتاب کا نام تلخیص الافہام فی المؤلف والمختلف ہے۔ اور دوسری اور تیسری قسم میں ابو بکر احمد ابن علی نے کتابیں لکھی ہیں۔ دوسری قسم میں المتفق والمفترق کے نام سے اور تیسری میں تلخیص المشاہدہ کے نام سے اور خود ہی اس کا ذیل لکھا ہے۔ جس میں اصل کتاب کی فروگذاشتیں درج کی ہیں۔ ان کی کتاب بڑی فائدہ مند ہے۔

## ”علم ناسخ الحدیث منسوخہ“

حدیث جب معارضہ سے غالی ہو۔ تو اس کا نام محکم رکھا جاتا ہے۔ اور اگر اسی کے مثل کوئی دوسری معارض حدیث بھی ہو۔ تو اگر دونوں حدیثوں میں جمع ممکن ہو۔ تو اس کو مختلف الحدیث کہتے ہیں، اور اگر جمع ممکن نہ ہو۔ اور ایک دوسرے سے تاخر ثابت ہو گیا ہو۔ تو متاخر کو ناسخ اور متقدم کو منسوخ کہتے ہیں۔

ناسخ و منسوخ حدیثوں کی شناخت میں بہت سی کتابیں لکھی گئی ہیں، جن میں احمد ابن اسحاق الدیناری محمد ابن بحر الاصبہانی، احمد ابن محمد الخاس، ابو محمد قاسم ابن اصیغ، محمد ابن عثمان المعروف بالجد الشیبانی، ہبۃ اللہ سلامہ موسیٰ ابن موسیٰ الحازمی کی کتاب کا نام الاعتبار فی ناسخ الحدیث و منسوخہ ہے۔ ابو حفص کی کتاب کا اختصار ابراہیم ابن علی المعروف بابن عبدالحق نے ایک جلد میں کیا ہے۔ امام عبد الکریم ابن ہوازن القشیری نے بھی ایک کتاب اس فن میں لکھی ہے۔



## علم تفسیق الحدیث

اس علم میں دو حدیثوں کے باہم تناقض کو دفع کیا جاتا ہے۔ یا عام کو خاص بنا کر یا مطلق کو مقید یا تعدد واقعہ پر محمول کر کے عرض تناقض دفع کرنے کی مختلف صورتیں پیدا کی جاتی ہیں۔ ایسی حدیثوں کو مختلف الحدیث سے تعبیر کیا جاتا ہے اس فن میں امام محمد ابن ادریس الشافعی نے ایک کتاب لکھی۔ لیکن مختصر اور غیر مکمل پھر عبد اللہ ابن مسلم المعروف بابن لیبہ، ابویحییٰ الساجی، طحاوی نے بھی اس میں کتابیں لکھیں۔ ابو الفرج ابن الجوزی نے بھی "التحقیق فی احادیث الخلاف" لکھا اس کا اختصار ابواہمہم ابن علی ابن عبد الحق نے کیا۔

## علل الحدیث

حدیث کی خرابیوں کی شناخت علم حدیث کے بہت دقیق اور باریک تر علموں میں سے ہے۔ اس لئے اس کا شمار حدیث کے شریف ترین قسموں میں ہے اس کی واقفیت ایسے اشخاص کو ہو سکتی ہے جنہیں خدا نے ہم ثاقب، حفظ واسع اور ایسی معرفت نامہ دیا کہ قویہ عطا کیا ہو۔ جس سے وہ رواۃ کے مراتب کی شناخت کر سکیں۔ اور متون و اسانید کی صحیح جانچ حاصل ہو۔ اس فن کے مشکل ہونے کے سبب بہت کم شخصیتوں نے اس میں کتابیں لکھیں۔ علل حدیث کی تعریف یہ ہے۔ کہ حدیث میں ایسے پوشیدہ اسباب ہوں۔ جو حدیث میں قدر پیدا کر دیں۔ جیسے منقطع حدیثیں موصول بن جائیں۔ موقوف مرفوع ہو جائیں۔ یا ایک حدیث دوسری حدیث میں داخل ہو جائے۔ اسی قسم کی جتنی خرابیاں ہیں۔ سب حدیث کی صحت کے لئے مضر ہیں۔ اس فن میں علی ابن المدینی، ابن



ابی حاتم دان کی کتاب بڑی بہتر کتاب ہے۔ امام مسلم امام ترمذی علی ابن عمر  
الدارقطنی، محمد ابن عبداللہ الحاکم، ابو علی، حسن محمد ابن الزجاجی ابن الجوزی وغیرہ نے  
کتابیں لکھی ہیں۔

## علم مصطلح الحدیث

علوم حدیث و مصطلحات الحدیث پر غالباً جامع کتاب سب سے پہلے  
قاضی ابو محمد الراہر مزنی نے المحدث الفاضل بین الراوی والسامع کے نام سے  
لکھی۔ ان کی کتاب اپنے زمانہ کی بہترین کتاب شمار کی گئی۔ اگرچہ تمام جزئیات  
پر یہ بھی حاوی نہ تھی۔ پھر علم نے اس فن میں وسعت دینی شروع کی۔ اور پہلے پہل  
محمد ابن عبداللہ الحاکم البیضا پوری نے اس کی طرف توجہ کی۔ اور کتاب کو پچاس قسموں  
پر منقسم کیا۔ لیکن ترتیب و تہذیب نہ کر سکے۔ ابو نعیم اصہبانی نے اس کا استدراک  
کیا۔ لیکن پیچھے آنے والوں کے لئے انہوں نے بھی بہت کچھ چھوڑ دیا۔ ان کے  
بعد احمد ابن علی المعروف بالخطیب کا دور آیا۔ اور انہوں نے قوانین الروایۃ میں ایک  
کتاب لکھی جس کا نام کفایہ رکھا۔ اور ایک دوسری کتاب اداب میں جس کا نام  
الجامع لا اداب الا شیخ و السامع رکھا، علم حدیث میں شاید ہی کوئی ایسا فن باقی رہا  
ہو۔ جس میں خطیب نے کوئی کتاب نہ لکھی ہو۔ ابن نقطہ نے سچ کہا ہے۔ کہ خطیب کے  
بعد کے تمام محدثین اس کی کتاب کے خوشہ چین ہیں۔ اور ہر انصاف پسند شخص  
یہی کہیگا۔ لیکن خطیب کے بعد بھی اس علم کے حصہ دار باقی رہے۔ قاضی عیاض  
نے ایک بہتر کتاب لکھی جس کا نام المصباح رکھا۔ ابو حفص المیابنجی نے ایک چھوٹی  
سی کتاب لکھی جس کا نام ما لا یسع المحدث جملہ، رکھا۔ پھر حافظ ابو عمر  
عثمان ابن عبدالرحمن المعروف بابن الصلاح نے اپنی مشہور کتاب مقدمہ ابن الصلاح  
لکھی۔ جس میں پینسٹھ اصطلاحیں بیان کیں۔ (یعنی اصطلاحوں کی ۶۵ قسمیں) علماء نے







## مخصوص کتابوں کی حدیثوں کی تخریج

- ۱- احادیث کشف بحال الدین محمد عبد اللہ الحنفی،
- ۲- الفتح السماوی لتخریج احادیث البیضاوی للشیخ عبدالرؤف المناوی
- ۳- الطرق والوسائل الی معرفۃ خلاصہ الدلائل شرح مختصر قدوری فی فقہ الحنفی  
لاحمد ابن عثمان الترمذی -
- ۴- تخریج احادیث المدایہ (یہ فقہ حنفی کی مشہور کتاب ہے) محمد ابن عبداللہ  
عبداللہ ابن یوسف الزبلی،
- ۵- تخریج احادیث الشرح البکیر فی فقہ الشافعی لسراج الدین عمر ابن علی المعروف  
بابن الملقن -
- ۶- کتاب المغنی عن حمل الاسفار فی الاسفار فی تخریج ما فی الاحیاء من الاخبار  
لعبد الرحیم ابن الحسین العراقی - تخریج حدیث احیاء العلوم للعراقی -
- ۷- ادراک الحقیقۃ فی تخریج احادیث الطریقۃ فی الموعظۃ لعلی ابن حسن بن صدقہ  
المصری ثم الیمانی، اس کے علاوہ نور الانوار، شرح عقاید نسفی کے احادیث  
کی بھی تخریجیں ہیں -

## علم الاسناد

اسناد کا علم دنیا میں صرف مسلمانوں سے مخصوص ہے۔ اور واقعات  
کا سلسلہ سے روایت کرنا یہ خاص انہیں کا امتیاز ہے۔ اس میں مراتب



جرح و تعدیل کے علاوہ حسب ذیل باتوں کا جاننا بھی ضروری ہے۔ (۱) نام و کنیت و لقب کی تحقیق مثلاً حضرت ابو ہریرہ کا نام عبد شمس اور عبد الرحمن دونوں تھا۔ پہلا عہد جاہلیت کا اور دوسرا اسلام کا، اب کوئی واقعہ اگر دو روایتوں سے مروی ہے۔ ایک میں نام اور دوسرے میں دوسرا، اگر واقف کار نہ ہو۔ تو دونوں کو دو مختلف شخصوں کا نام سمجھیں گا۔ اسی طرح ابن جریج کی کنیت ابو الولید بھی تھی۔ اور ابو خالد بھی لقب کا بھی یہی حال ہے۔ معاذ بہ ابن عبد الکریم انصاری ایک بڑے مشہور محدث تھے۔ جو شخص اسماء رجال کی کتابوں میں ان کے فضل کا حال پڑھیں گے اور پھر ان کے لقب (ضال گمراہ) کو دیکھیں گے۔ اسے تعجب ہو گا۔ کہ ایک گمراہ کو ہدایت سے کیا واسطہ۔ لیکن اگر اسے یہ معلوم ہو جائیگا۔ کہ لوگ انہیں گمراہ (ضال) اس لئے کہا کرتے تھے۔ کہ ایک مرتبہ مکہ معظمہ کے راستے میں وہ راہ بھول گئے تھے۔ تو یہ شبہ خود بخود رفع ہو جائیگا۔ کیونکہ گم شدہ کو عربی میں ضال کہتے ہیں۔

(۲) نسب اور پیشہ کی تحقیق، مثلاً ایک روایت میں مذکور ہے۔ عن السبع ابن السن عن انس اور دوسری میں عن عاصم بن سعد عن سعد ناواقف سمجھیں گے۔ کہ ربیع و عامر دونوں اپنے اپنے والد سے روایت کر رہے ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے۔ کہ یہ سعد اور انس اور شخصیتیں ہیں۔ بعض لوگوں کو شہرت عام نے باپ کے چھین کر اغیار سے منسوب کر دیا ہے۔ مقدار ابن الاسود کے والد عمرو تھے۔ اسود زہری نہ تھے۔ بلکہ انہوں نے ان کو صرف متبنی کیا تھا۔ بعض لوگ ماں سے منسوب ہیں۔ مثلاً ابن علیہ ان کا نام اسماعیل ابن ابراہیم ابن مقسم تھا۔ علیہ اسماعیل مذکور کی ماں تھیں۔ امام شافعی جب ان کی حدیث روایت کرتے۔ تو کہتے۔ (حاشا شام اسماعیل الذی یقال له ابن علیہ) یعنی مجھ سے اس اسماعیل نے روایت کی۔ جسے لوگ ابن علیہ کہتے ہیں۔

بعض لوگ دادا سے منسوب ہیں۔ ایک محدث کا لقب حزاہ جونی بیچنے والا تھا۔ حالانکہ خود یہ ان کا پیشہ نہ تھا۔ بلکہ وہ اس گروہ کے غلط ملط کے سبب اس



نام سے مشہور ہو گئے۔

بعض لوگ دوسرے خاندان سے منسوب ہیں۔ مثلاً سلیمان تلمیسی کہ قبیلہ  
تیم سے نہ تھے۔ بلکہ ان سے کثرت ارتباط نے انہیں تیمی بنا دیا۔  
۳۔ جرح سند کی تحقیق | مثلاً کتاب الجرح والتعديل میں ابن ابی عاتم نے  
صفدی کی توثیق کی ہے۔ اور ابن معین کا بھی یہی قول ہے۔ مگر تاریخ عقیلی میں  
اسکی حدیث کو موضوعاً بتایا گیا ہے۔ اور حقیقت میں دونوں باتیں صحیح ہیں۔  
صفدی کے ثقہ ہونے میں کلام نہیں۔ لیکن ہنسہ ابن عبدالرحمن جو ان سے حدیث  
روایت کرتا ہے۔ ثقہ نہیں۔ اس لئے محدثین مجبور تھے۔ کہ صفدی کی عدالت  
سے فائدہ نہ اٹھائیں۔

(۴) راوی کے سن ادا اور تحمل کی تحقیق، محدثین کی عادت تھی۔ کہ حلقہ درس  
میں لڑکے بھی حاضر ہوں۔ اور وہ بھی حدیثیں سنیں عام طلباء کی طرح ان کو بھی اجازہ  
ملتی تھی۔ اب یہ وقت پیش آئی۔ کہ ان کی روایتوں کی تقسیم عمر کے اعتبار سے کرنی  
چاہئے۔ فرض کرو۔ زید نہایت بزرگ ہے۔ اور اسکی عدالت عموماً ضرب المثل  
ہے۔ لیکن جو بات اس نے اپنے بچپن میں سنی تھی۔ اس کی صحت پر یقین کرنا  
مشکل ہے۔ ممکن ہے اس کے مطلب کو صحیح نہ سمجھا ہو۔ یا واقعہ کی خاص باتیں  
وہ اہم نہ سمجھتا ہو۔ اور اس لئے بیان بھی نہ کرے۔

(۵) سبب حدیث کی تحقیق۔

یعنی یہ بات کیوں کہی گئی۔ اور واقعہ کے خصوصیات کیا تھے۔ جن کی بنا  
پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ہدایت فرمائی۔ مثلاً حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے  
کہ ان اہمیت یعداب بکاء اہلہ علیہ (گھر والوں کے رونے سے میت  
پر عذاب ہوتا ہے۔ حالانکہ واقعہ یہ تھا۔ کہ ایک کافر مرا تھا۔ اور اس کے گھر والے  
اس پر رو رہے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ گھر والے تو روتے  
ہیں۔ اور میت پر عذاب ہو رہا ہے۔ راوی نے تو کس مفہوم کا خیال نہ کیا۔ اور



صرف لفظ روایت کر دیا۔

سلسلہ اسناد میں اس قسم کی بہت سی باتیں ہیں۔ جن کا جاننا بہت ضروری ہے۔ سخاوی نے ان کی ۸۰ سے زیادہ قسمیں قرار دی ہیں۔ اور ہر قسم کے متعلق اہل علم نے شرح و بسط کے ساتھ کتابیں تالیف کی ہیں، اور امام بخاری کے اس مشہور واقعہ بعد ازیں اسی علم کا پہلو نظر آتا ہے۔ اس نوعیت کی ایک سری بحث یہ بھی ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مختلف کثیر و کثیر صحابہ و تابعین نے حدیثیں روایت کی ہیں۔ لیکن کس سند کو اشرف و اعلیٰ کہا جاسکتا ہے۔ اس میں آئمہ حدیث کی مختلف رائیں ہیں۔ ابن صلاح محدث فرماتے ہیں۔ کہ محدثین اس مسئلہ میں بہت مضطرب ہیں۔ امام بخاری کا خیال ہے۔ اصح الاسانید مالک عن نافع عن ابن عمر ہے۔ اور عبد الرزاق اور ابو بکر بن ابی شیبہ کا خیال ہے۔ کہ اصح الاسانید زہری عن علی بن الحسین، (یعنی امام زین العابدین) عن ابیہ (امام حسین علیہ السلام) عن جدہ (حضرت علی علیہ السلام) ہے۔ احمد و سحاق کا خیال ہے۔ کہ زہری عن سالم عن عبد اللہ بن عمر عن عمر بن الخطاب اصح الاسانید ہے۔ عمرو بن علی الفلاس، سلیمان ابن حرب علی بن المدینی کا قول ہے۔ "اصح الاسناد محمد بن سیرین عن عبیدہ السلمانی عن علی بن ابی طالب علیہ السلام ہے لیکن علی بن المدینی نے اتنا اضافہ کیا۔ کہ اسی سند کو اگر محمد بن سیرین سے عبد اللہ ابن عون روایت کریں۔ تو یہ اصح الاسانید ہوگی۔ ابن معین کا خیال ہے۔ اصح الاسانید سلیمان ابن مهران الاشمس، عن ابراہیم بن یزید النخعی عن علقمہ عن عبد اللہ ابن مسعود ہے۔ یہ ابن اصلاح کے اقوال تھے۔ لیکن زین الدین کا بیان ہے۔ کہ اس مسئلہ میں اور بہت سے اقوال ہیں۔ جن کو میں نے شرح البکیر میں بیان کیا ہے۔ اور وہ بڑے فوائد پر مشتمل ہیں۔ جن کا جاننا اہل الحدیث کے لئے بہت ضروری ہے امام زین الدین کا یہ بھی خیال ہے۔ کہ کسی ایک صحابی کی روایت کو اصح الاسانید کہنا صحیح نہیں۔ اسی طرح حاکم کا بیان ہے۔ کہ کسی ایک صحابی کی روایت کو اصح الاسانید



کہنا صحیح نہیں۔ لیکن میں اللہ تعالیٰ کی مدد سے یہ کہتا ہوں۔ کہ اصح اسانید میں اہل البیت سلام اللہ علیہم کی سند ہے۔ جو حضرت جعفر صادق عن ابیہ (علی بن الحسین زین العابدین) عن جدہ (الحسین السبط) عن علی علیہ السلام بشرطیکہ حضرت امام جعفر صادق سے روایت کرنے والا ثقہ ہو۔ حضرت احمد بن حنبل فرماتے ہیں۔ یہ ایسی پاکیزہ سند ہے۔ کہ اگر مرین کو چھلادی جائے۔ تو اس کو شفا ہو جائے۔ اس کو منصور باللہ نے المجموع المنصوری میں روایت کیا ہے۔ پھر حاکم فرماتے ہیں۔ حضرت ابوبکر کی سند میں سب سے صحیح سند وہ ہے۔ جو اسمعیل بن خالد عن قیس ابن ابی حازم ہو۔ حضرت عمر کی سندوں میں سب سے زیادہ اصح وہ ہے۔ جو زہری عن سالم عن ابیہ عن جدہ ہو۔ حضرت ابو ہریرہ حضرت عبداللہ ابن مسعود کی اصح سند سفیان الثوری عن منصور بن المعتمر عن ابیہم النخعی عن علقمہ عن ابن مسعود ہے۔ انس ابن مالک کی اصح سند مالک عن الزہری عن انس اہل مکہ کی اصح سند ابن عیینہ عن عمر بن دینار عن جابر بن عبد اللہ ہے۔ اہل یمن کی اصح سند عمر بن راشد الاندلی عن ہمام بن منبہ عن ابی ہریرہ ہے۔ اہل مصر کی اصح سند لیث بن سعد عن یزید بن ابی جیب عن ابی الخیر عن عقبہ ابن عامر ہے۔ اہل شام کی اصح سند اوزاعی عن حسان بن عطیہ عن الصحابہ ہے۔ خراسان کی اصح سند حسین بن واقد عن عبداللہ بن بکر عن ابیہ ہے۔

۱۵ تنقیح الانظار للعلامة محمد بن ابیہم الوزیری فی اصول الحدیث قلمی۔



## ”علم شرح الحدیث“

حدیث کے اس فروغی علم میں اربعین اور اربعین کی شرحیں بھی ہیں۔ حدیث شریف میں آیا ہے۔ کہ میری امت کے جس شخص نے چالیس حدیثیں یاد کر لیں۔ میں قیامت کے دن اس کا شفیع ہوں گا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ جس نے چالیس حدیثیں یاد کر لیں۔ وہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے فیقہ اور عالم ہو کر بلیگا۔ اور ایک روایت میں ہے۔ کہ میری امت کا جو فرد چالیس حدیثیں محض اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے حاصل کرے۔ اور اس سے لوگوں کو حلال و حرام کی تلقین کرے۔ تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کو عالم اٹھائے گا۔ اگرچہ بعضوں نے ان حدیثوں کو ضعیف کہا ہے۔

انہیں حدیثوں کے سبب علماء نے مختلف قسم کی چالیس حدیثیں جمع کیں۔ اور ان کی شرحیں لکھیں۔ جن میں شرح الاربعین (لابراہیم ابن حسن الرجبی المالکی قاضی تونس المتوفی ۷۳۲ھ ذمبی نے ان سے کچھ تحصیل علم بھی کی ہے) شرح الاربعین لابن کمال باشا شمس الدین احمد ابن سلیمان المصنفی المتوفی ۶۴۰ھ اس میں وہ چالیس جمع کی ہیں۔ جو مسجع اور جوامع الکلم سے متصف سے ہیں۔

شرح الاربعین لابی بکر محمد ابن حسین الاجری الشافعی المتوفی ۳۶۰ھ شرح الاربعین لاربعین لاسحاق القرمانی المعروف بجمالی خلیفہ المتوفی ۳۳۰ھ شرح حدیث الاربعین لمولانا اسماعیل المتوفی ۱۰۴۲ھ انہوں نے اپنے مشرب کی چالیس حدیثیں جمع کیں۔ اور اس کی شرح لکھی۔ شرح الاربعین للفتاویٰ المتوفی ۶۹۱ھ شرح



(الاربعین) لعبدالرحمن للجمامی یعنی شیخ نورالدین عبدالرحمن ابن احمد الجمامی المتوفی  
 ۸۹۸ھ فارسی میں اس کی شرح لکھی تھی۔ لیکن کسی دوسرے منصف نے اس  
 کو ترکی میں منتقل کر دیا۔ شرح الاربعین للنخاقانی ترکی نظم کے اندر یہ چالیس پیش  
 مع شرح لکھی تھیں۔ شرح الاربعین اسلامی ترکی، شرح الاربعین لجمال الدین  
 السیوطی المتوفی ۹۱۱ھ شرح الاربعین لشیخ عبدالقادر ابن اسید محمد ابن  
 الشیر بقضیب البیان المتوفی فی حدود ۱۰۲۰ھ کتاب کا نام کواکب الضوء  
 رکھا۔ شرح الاربعین للشیخ صدرالدین محمد ابن اسحاق القونوی المتوفی ۶۶۲ھ  
 جن جوامع الکلم حدیثوں سے احکام ثابت ہوتے تھے۔ ان میں کی چالیس  
 حدیثیں جمع کیں۔ اور ان کی شرح کی شرح (الاربعین فی الطب النبوی) لموفق الدین  
 عبداللطیف ابن یوسف الحکیم الفیلوف البغدادی المتوفی ۷۲۹ھ نیز ابوالعباس  
 احمد ابن اسعد المعروف بابن العالمہ دمشقی المتوفی ۶۵۲ھ نے بھی ان حدیثوں  
 کی شرح کی۔ جو طب نبوی سے متعلق تھیں۔ شرح الاربعین القدسیہ لحسین ابن  
 احمد ابن محمد التبریزی اپنے مکہ، مصر، قدس، عراق وغیرہ کے قیام کے زمانہ میں  
 بہت کئی شرح سے حدیث قدسی نسی تھی۔ ان کو جمع کر دیا۔ اور اس کی ایک شرح  
 لکھی۔ کتاب کا نام مفتاح الکنوز مصباح الرموز رکھا۔ شرح الاربعین امام نووی۔ شرح  
 اربعین ابن جرکی جو نہایت ہی بیسوط اور مفید ہے۔ رحمة المحدثین ترجمہ اربعین مولانا  
 حکیم سید حفاظت حسین پہلوانوی،



## ”علم موضوعات الحدیث“

یہ علم بھی فن حدیث کے بہت اہم علموں میں ہے۔ اور محدثین نے حدیث کی دوسری شاخوں کی طرح اس کی طرف بھی پوری توجہ کی ہے۔ اصل یہ ہے کہ خلفاء راشدین کے دور کے بعد جب حدیث کی اشاعت بڑی کثرت سے ہونے لگی۔ اور ہر شخص بجائے خود ایک بڑا محدث و فقیہہ نظر آنے لگا۔ تو اس کا لازمی نتیجہ حدیثوں کا خلط ملط اور حدیثوں کی وضع تھی۔ اور اللہ تعالیٰ کی شان دیکھو۔ کہ جو سرزمین صحیح ترین احادیث رسول صلعم کی مرکز تھی۔ وہیں کے بسنے والوں میں رسول کی طرف جھوٹی حدیث کے منسوب کرنے والے بھی موجود تھے۔ چنانچہ مدینہ جو احادیث و آثار کا مرکز تھا۔ وہاں ابن ابی یحییٰ جیسا کذاب و اضع حدیث بھی تھا۔ اور کوفہ جو احادیث رسول و سیرت پیبر کا معدن تھا۔ اور بقول اجل آئمہ حدیث، اور خصوصاً حبر امت حضرت عبداللہ ابن عباس حدیث کی بڑی تعلیم گاہ تھی۔ وہاں ابن ابی العوجا جیسا و اضع حدیث بھی متوطن تھا۔ محدثین کا بیان ہے۔ کہ اس وقت کی اسلامی دنیا میں چار آدمی خصوصیت کے ساتھ اس کام کے لئے مطعون تھے۔ ابن ابی یحییٰ مدینہ میں حضرت واقدی بغداد میں مقاتل ابن سلیمان خراسان میں محمد ابن سعید شام میں ان کا کام ہی تھا۔ کہ رات دن وہ اس زمانہ کے بعض اہم اغراض کی بنا پر اس شغل میں رہیں۔ اور اپنی دنیا و عاقبت خراب کریں۔ اور ان کے علاوہ احمد جو بھاری ابن عکاشہ کرمانی ابن تیم فریابی تھے۔ جن کے متعلق سہل ابن السری کا بیان ہے۔

لہ کتاب لضعفا للناسیۃ اگرچہ واقدی کے متعلق بعض نقاد ان فن کا خیال یہ ہے۔ لیکن دوسری طرف ایک ہی جماعت اس کے ثقف ہونے کی قائل ہے۔ اور جو طبقات ابن سعد اور دیگر کتب سیر کے اندر اجل محدثین کے اقوال اس کی تبدیل کے متعلق موجود ہیں۔ اور بلا عبدالحی الفارسی نے سایہ میں ان کی کے متعلق تمام اقوال جمع کئے ہیں۔ اور جو بھی واقدی کی توثیق میں ابن سید الناس محدث کے ہم خیال ہیں۔



کہ انہوں نے دس ہزار حدیثیں وضع کی تھیں۔ ابن خلکان جلد ۲ صفحہ ۱۲۶ طبع مصر۔  
 بایں ہمہ محدثین نے ایسے تمام لوگوں کی بیخوف و خطر تشہیر کر دی تھی۔ اور ان کا  
 کذب چھپ نہ سکا تھا۔ اور طبقات کی کتابوں میں علاوہ ان کے معائب ظاہر کر  
 دئے۔ اور مسلمانوں کی تہذیب کر دی گئی۔ چنانچہ خلیفہ ابو جعفر منصور کے عہد میں کوفہ  
 میں ابن ابی العوجاء جس کا اصلی نام عبد الکریم تھا۔ ۱۵۵ھ کا واقعہ ہے۔ کہ محمد  
 بن سلیمان ابن علی گورز کوفہ کو اس کے چال و چین کے متعلق کچھ شبہ پیدا ہوا۔  
 تحقیقات کی تو معلوم ہوا۔ حدیث وضع کرنے میں خاص مہارت رکھتا ہے۔ گرفتار  
 کیا گیا۔ لیکن ایک ایسے شخص کی تعزیر جو صاحب اثر و ولتمند ہو۔ عوام میں اس کے  
 تقدس کا شہرہ ہو۔ خلیفہ کا مقرب اور مشہور امیر عرب معن ابن زایدہ شیبانی کا  
 قریبی عزیز ہو۔ آسان نہ تھی۔ بایں ہمہ محمد بن سلیمان نے کچھ پرواہ نہ کی۔ اور مختلف  
 مواعظ کے باوجود بھی اسے قتل کر ڈالا۔ خلیفہ کا حکم امتناعی آیا۔ تو محمد بن سلیمان  
 نے ابن ابی العوجاء کا سر بلجی کے قدموں پر ڈال دیا۔ اور کہا یہ تو اس کا سر ہے۔  
 اور جثہ غلاظت گاہ کے پاس بوسردار ہے۔ جاؤ۔ امیر المؤمنین سے کہدو۔ اور لطیفہ  
 یہ ہے۔ کہ ابن ابی العوجاء کو جب اپنے قتل کا یقین ہو گیا۔ تو اس نے جل کر کہا۔  
 اما والله لئن قلمونی لقد صنعت اربعة الاف حدیث احوم  
 فیہا الحلال و اُحِلُّ فیہا الحرام و الله لقد افطر تکم فی یوم  
 صومکم و صوم متکم فی یوم فطرکم۔

یعنی خدا کی قسم اگر تم مجھے قتل ہی کر رہے ہو۔ تو لو سنو۔ کہ میں نے چار ہزار  
 حدیثیں وضع کی ہیں۔ اور بہت سے حرام کو حلال اور حلال کو حرام بنا چکا ہوں۔  
 اور بہت سے روزے کے دنوں میں افطار کرایا۔ اور افطار کے دنوں میں  
 روزے رکھوائے۔ طبری جلد ۹ ص ۲۸۷ کامل ابن الاثیر جلد ۶ صفحہ ۳ ذکر حوادث ۱۵۵ھ  
 یہی وجوہات تھے۔ جنہوں نے محدثین کرام کو اس فن خاص کی طرف بہت  
 مائل کر دیا تھا۔ اور بات یہ تھی۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاقی و مذہبی



تعلیمات کا بیشتر انحصار انہیں حدیثوں پر تھا۔ اس لئے اسکی بڑی چھان بین  
 کی جاتی تھی۔ اور تحقیقات سے جس شخص کے متعلق یہ ثابت ہو جاتا۔ تمام مسلمان  
 اس کے دشمن ہو جاتے۔ اور پھر کوئی طاقت بھی اسے محفوظ نہیں رکھ سکتی تھی۔  
 اور سچ یہ ہے۔ کہ مسلمان اگر اس تشدد کے ساتھ حدیث کی حفاظت نہ کی ہوتی  
 تو آج حدیث کی ساری کتابوں کی وقعت مٹی اور پوحنائی داستانوں سے زیادہ  
 نہ ہوتی۔ اور میں تو کہوں گا۔ کہ یہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک معجزہ تھا۔  
 کہ ایسے لوگ پیدا ہوئے جنہوں نے حدیث کے کھرے کو کھوٹے سے ممتاز فرمایا  
 ورنہ ان مے ہوئے جھوٹے اور سچے موتیوں کی تمیز دنیا کی بڑی سے بڑی ناقد  
 ہستی کے لئے بھی بڑا ہی دشوار تھا۔ مگر اس سلسلہ میں یہ بات بھی غور کے لائق  
 ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ ہی دنوں کے بعد آخر اس طرح حدیثوں  
 کے وضع کرنے کی کیا ضرورت پیش آئی۔ اور کیوں کر یہ سلسلہ خیر القرون ہی میں  
 اس قدر وسعت پا گیا۔ اصل یہ ہے۔ کہ ہر دور میں مختلف جماعتیں اور افراد ایسے  
 ہوتے ہیں۔ جن کا ذہن کسی نہ کسی خاص مقصد کے ماتحت کام کرتا رہتا ہے۔  
 اسلام میں فتنے کی ابتداء حضرت عمر کے بعد سے ہوتی ہے۔ اور یہی زمانہ ہوتا ہے  
 جبکہ ہر قسم کی رطب و یابس حدیثیں عالم وجود میں آتی ہیں۔ کہیں تو بنی امیہ کے  
 مناقب کی داستانیں ہوتی ہیں۔ اور کہیں دیگر صحابہ اور اہل بیت کے مناقب جمع  
 ہیں۔ اور ہر گروہ اپنے اپنے خود ساختہ فضائل منوانے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
 کی طرف انتساب کر دیتا ہے۔ اکثر ہی امیہ جو اخلاقی و عملی حالت کے لحاظ سے  
 بہت زیادہ گرے ہوئے تھے۔ اور پھر ان میں کا بڑا گروہ وہ تھا۔ جو سابقوں والوں  
 کی صف میں کسی طرح نہیں کھڑا کیا جاسکتا ہے۔ اس کو اس قسم کی روایتوں کی  
 بہت زیادہ ضرورت تھی۔ کیونکہ یہی ایک ایسی تلوار تھی۔ جس کی کاٹ کا کوئی جواب  
 نہیں تھا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے والے افراد کے لئے سب سے  
 زیادہ لائق تسلیم یہی بات تھی۔ جو اس شکل میں پیش کی جا رہی تھی، چنانچہ بنی امیہ کے



دور میں ان کے افراد کے لئے بہتری حدیثیں وضع کی گئیں۔ اسی طرح بعض نادان  
 دوستوں نے ان کے مقابلہ میں اہلبیت طاہرین کے مناقب میں بھی حدیثیں گڑھیں  
 اور پھر یہ سلسلہ بڑھتے بڑھتے اس قدر عام ہو گیا۔ کہ امرا و سلاطین کے حواشی محض  
 خلفا کو خوش کر کے کئی کئی حدیثیں وضع کر دیا کرتے۔ لیکن خلفاء اسلام ہرگز ان  
 کی اس روش سے خوش نہ ہوتے۔ اور نہ حدیثیں ان کے اشارے سے وضع کی  
 جاتی تھیں۔ چنانچہ حاکم کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ مقاتل ابن سلیمان  
 نے ایک موقع پر خلیفہ المہدی عباسی سے کہا تھا۔ کہ اگر تمہاری خواہش ہو۔ تو میں تمہارے  
 لئے کوئی حدیث وضع کروں۔ خلیفہ نے منع کیا۔ اسی طرح کلا علی قاری نے موضوعات کبیر  
 کے دیباچہ میں اور سیوطی نے تاریخ الخلفاء میں نقل کیا ہے۔ کہ ہارون الرشید  
 کے پاس ایک واضح حدیث لایا گیا۔ ہارون نے اس کے قتل کا حکم دیا۔ اس بے دین  
 نے کہا۔ کہ میں قتل تو کیا جاؤنگا۔ لیکن وہ چار ہزار حدیثیں کہاں جائیگی۔ جنہیں میں  
 نے بنایا ہے۔ اور وہ لوگوں میں پھیل چکی ہیں۔ خلیفہ نے جواب دیا۔ تجھ کو عبد اللہ ابن  
 المبارک اور ابواسحاق فزاری کا بھی علم ہے۔ کہ وہ دونوں موضوعات کی چھان بین  
 کر رہے ہیں۔ اور وہ اس کا ایک ایک حرف حدیث کے مقدس مجموعہ سے نکال  
 پھینکیں گے۔ لیکن سب سے زیادہ خطرناک پہلو یہ تھا۔ کہ مذاہب اور راہوں کے  
 اختلاف کے موقع پر بھی یہ بڑی سنت جاری ہو جاتی تھی۔ چنانچہ اکثر یہی ہوا  
 کیا۔ کہ اشخاص نے ایک مذہبی نظریہ قائم کیا۔ اور اس کے متعلق ایک حدیث  
 گڑھ دی۔ چنانچہ حاکم نے ایک جگہ یہ بھی لکھا ہے۔ کہ محمد بن القاسم رئیس مرتبہ  
 اپنے مذہب کی تائید میں حدیثیں وضع کرتا تھا۔ کان یضع الحدیث علی ملہم  
 و تدریب اسی طرح اکثر یہ ہوا۔ کہ بعض خاص شخصیتیں جنہیں کسی خاص ام یا عالم  
 سے رشک و حسد ہوا۔ تو انہوں نے اس کے مذہب مٹانے کے لئے حدیثیں  
 باقران کریم کی غیر ماثور و مسموع تفسیر کر دی۔ حاکم نے ابوالعمار المرزبی سے نقل  
 کیا ہے۔ کہ ابو عصمت نوح ابن ابی مریم سے کہا گیا۔ کہ تم عکر مہن ابن عباس



قرآن کے ایسے فضائل بیان کرتے ہو۔ جو ابن عباس کے اور شاگردوں سے منقول نہیں۔ اس نے جواب دیا۔ بات یہ ہے۔ کہ لوگوں نے قرآن چھوڑ کر ابوحنیفہ کی فقہ اور محمد بن اسحاق کی مغازی کو اختیار کر لیا ہے۔ اس لئے میں نے یہ فضائل کی حدیث وضع کی۔ کہ لوگ ان دونوں کو چھوڑ دیں۔ الغرض مختلف اغراض اور سیاسی حالات کے ماتحت حدیثوں کا وضع کرنا یہ ایک سنت جاریہ ہو گئی، اور ہر وہ بات جسے قوم میں وقع اور لائق اعتبار بنانا ہوا اس کے لئے ایک حدیث بنا دینا معمولی کام ہو گیا۔ دین کی تحریص و لاتی ہوئی لوگوں کو جنت و دوزخ کی نیرنگیاں دکھانی ہوئیں۔ ان کے لئے ایک روایت بنا ڈال۔ اس لئے جہاں کہیں بھی تم فضائل اعمال، فضائل سوره وغیرہ کی حدیثیں پاؤ گے۔ ان کا منبع بیشتر غلط ہوگا۔ سب زیادہ بد قسمتی یہ تھی۔ کہ بعض جماعتوں میں یہ عقیدہ قائم ہو گیا تھا۔ کہ دین کی تحریص کے لئے حدیثیں وضع کی جاسکتی ہیں۔ اور یہ ایک محمود فعل ہے۔ اس چیز کو مزید وضاحت کے ساتھ یوں سمجھنا چاہئے۔ کہ وضع حدیث کے مختلف اسباب پیدا ہوئے۔ پہلا سبب بعض جماعتوں نے زہد و ریاضت کو اپنا شعار بنایا۔ اور وہ یہاں تک غالب ہوئی۔ کہ حفظ حدیث کی طرف سے وہ غافل ہو گئے۔ اور صحیح و غیر صحیح کی شناخت نہ کر سکے۔ پھر اگر ان کے پاس کوئی مسودہ تھا۔ تو وہ ضائع ہو گیا۔ اور شخص اپنے حفظ کے اعتماد پر روایت کشی کی۔ اور دوسرا سبب، بعض افراد ایسے تھے۔ جنہوں نے حدیثیں تو روایت کرنا شروع کیں۔ لیکن وہ علم نقل کے ماہر نہ تھے۔ اس لئے ان سے خطائیں بہت ہوئیں۔ اور بری طرح ہوئیں۔ تیسرا سبب نفاہ کی ایک جماعت جو آخر عمر میں حواس باختم ہو گئی۔ اور اس کی دماغی قوت زائل ہو گئی۔ ان کی روایتوں میں خلط ہو گیا۔ اور جھوٹ سچ مل گئے۔ چوتھا سبب، کچھ جماعتیں جو غافل اور متساهل تھیں۔ انہوں نے محض تلقینی طور پر حدیثیں روایت کیں اس لئے وہ صحت کے مرتبہ سے گر گئیں۔ پانچواں سبب، کچھ لوگوں نے



جھوٹی حدیثیں اس طرح بیان کیں۔ کہ انہیں اسکی صداقت کا یقین تھا۔ اور چونکہ وہ ان کو صحیح سمجھتے تھے۔ اس لئے پوری کوشش کے ساتھ اسکی روایت و اشاعت بھی کرتے تھے۔ چھٹا سبب بعض افراد نے عمداً کا ذہین و ضعفا سے روایتیں کیں۔ اور ان کے ناموں کو اصل معاملہ کے اخفا کے لئے چھپایا اس لئے کذب ان سے صادر ہوا۔ اور ترویج ان سے ہوئی، ساتواں سبب بعض افراد نے عمداً کا ذہین و ضعفا سے روایتیں کیں۔ اور ان کے ناموں کو اصل معاملہ کے اخفا کے لئے چھپایا۔ اس لئے کذب ان سے صادر ہوا۔ اور ترویج ان سے ہوئی۔ ساتواں سبب بعض افراد نے عمداً جان بوجھ کر جھوٹی حدیثیں روایت کیں۔ ان میں بعض تو ایسے تھے۔ جنہوں نے اساد میں جھوٹ اختیار کیا۔ یعنی ایسے لوگوں سے روایت کی۔ جن سے سنا نہیں تھا۔ اور بعضوں نے دوسروں کی روایت کی ہوئی حدیث چرائی۔ اور اپنے نام سے موسوم کر دی اور بعضوں نے خود اپنے دل سے حدیث گڑھ لی، پھر وضاعین کی بھی مختلف اغراض و مقاصد کے ماتحت چند قسمیں ہیں۔

۱ اول :- زندیق کہ انہوں نے شریعت اسلامیہ کو باطل کرنے اور امت اسلامیہ کو ایک بڑی مصیبت میں مبتلا کرنے کے لئے ایسا کیا۔ جیسا کہ عبد الکریم ابن ابی العوجانے اپنے قتل کئے جانے کے وقت کہا۔ کہ واللہ میں نے چار ہزار حدیثیں وضع کیں۔ کہ جس میں حلال کو حرام اور حرام کو حلال کیا۔ جعفر بن سلیمان کی روایت ہے۔ کہ خلیفہ مہدی ان سے بیان کرتے تھے۔ کہ ایک زندیق نے مجھ سے کہا۔ کہ واللہ میں نے چار ہزار ایسی حدیثیں وضع کی ہیں۔ جو اس وقت لوگوں کے اعمال و افعال میں رائج ہیں۔ حماد بن زید کا بیان ہے۔ کہ زنادقہ نے آٹھ ہزار حدیثیں وضع کی ہیں۔ دوم: کچھ جماعت نے اپنے مذہب کی تائید و نصرت کے لئے حدیثیں وضع کیں۔ اور یہ بات سالمیہ کے متعلق کہی جاتی ہے۔ چنانچہ عبد اللہ ابن



یزید المقری سے روایت ہے۔ کہ ایک بدعتی جب تائب ہوا۔ تو اس نے کہا۔ دیکھو فلان قسم کی خاص خاص حدیثوں کو ان کے جاننے والوں سے لیا کرو۔ کیونکہ ہم لوگ جب بعض راویوں کو پسند کرتے تھے۔ تو اسے حدیث بنا لیا کرتے تھے۔ ابن لبیعہ کا بیان ہے۔ کہ ایک خارجی نے جب اپنے عقائد سے توبہ کی۔ تو کہا۔ کہ ہم لوگ جب کسی بات کو پسند کرتے تھے۔ تو اسے حدیث بنا لیتے تھے۔ اس لئے حدیثوں کو خوب غور فکر کے بعد حاصل کرو۔ کیونکہ یہ چیزیں دین ہیں۔ اور حماد ابن سلمہ بیان کرتے ہیں۔ کہ ایک رافضی نے بھی توبہ کے بعد یہی کہا کہ ہم اپنی رایوں کے مطابق حدیثیں بنا لیا کرتے تھے۔ تم لوگ ہر حدیث نہ قبول کرو۔ ابو عبد اللہ الحاکم کا بیان ہے۔ کہ محمد بن القاسم رئیس مرجہ اپنے مذہب کی تائید میں حدیثیں وضع کرنا تھا۔

سورہ ایک جماعت ایسی تھی جو ترغیب و ترہیب کے لئے حدیثیں وضع کرتی تھی۔ کہ لوگ عبادات میں مشغول ہوں۔ اور برائیوں کو ترک کریں۔ اور غالباً دن رات کی یہ ساری غیر مشروع عبادت و نوافل کی حدیثیں انہیں حضرات کی وضع کردہ ہیں۔ ابو عبد اللہ نہادندی کا بیان ہے۔ کہ میں نے خیبر کے غلام سے پوچھا۔ یہ رفاق کی حدیثیں تم کہاں سے بیان کرتے ہو۔ اس نے کہا۔ میں نے یہ حدیثیں وضع کی ہیں۔ اور اس سے مفصود لوگوں میں خشیت الہی کا پیدا کرنا ہے۔ محمد بن عیسیٰ الطباع کی روایت ہے۔ وہ کہتے ہیں میں نے ابن مہدی کو میسرہ سے یہ کہتے سنا۔ کہ تم فضائل سورہ کی اتنی حدیثیں کہاں سے بیان کرتے ہو۔ تو انہوں نے جواب دیا۔ کہ میں نے لوگوں کو رغبت دلانے کے لئے انہیں وضع کیا ہے۔

چہلک :- کچھ لوگوں نے ہر اچھی بات کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سند کر دینا۔ جائز کر دیا۔ ان کا خیال تھا۔ کہ ہر حسن امر شرعی ہے۔ اس لئے اس کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ حالانکہ انہیں یہ سمجھنا چاہئے تھا۔ کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر قول و فعل



بیشک حن ہے۔ لیکن ہر حن قول و عمل بقول و فعل رسول نہیں۔ اس صورت میں ہر امر آپ کی طرف منسوب کیا جانا صریح جھوٹ ہوگا۔

پنجم :- بعض حضرات نے دنیاوی اغراض کے ماتحت بھی وضع حدیث کی۔ مثلاً سلاطین کی قربت اور ان میں اثر و سوخ پیدا کرنا۔ جیسا کہ غیاث ابن ابراہیم کے متعلق منقول ہے۔ کہ ایک دفعہ وہ خلیفہ مہدی عباسی سے ملنے گیا۔ تو ان کو کبوتروں کا شائق پایا۔ کسی نے اس سے کہا۔ خلیفہ وقت کو بھی حدیثیں سنائیے۔ اس نے ایک حدیث پڑھی جس کا مفہوم یہ تھا۔ کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ مسابقت سوا ان چند چیزوں۔ تیر بازی، اونٹ گھوڑے اور پرندوں کے کسی میں جائز نہیں۔ اس میں پرندے کا لفظ صرف مہدی عباسی کی خوشنودی کے لئے وضع کیا گیا۔ خلیفہ خود ذی علم تھا۔ وہ فوراً سمجھ گیا۔ اور کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اس نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر افترا کیا۔ اور کہا میں ہی اس کے جھوٹ کا سبب ہوا۔ کیونکہ اس نے کبوتروں سے میری محبت دیکھ کر یہ ٹکڑا وضع کیا ہے پھر کچھ کبوتر ذبح کر لئے۔ اور کچھ آزاد کر دئے۔

ششتم :- کچھ لوگ ایسے تھے۔ جن کو تعصب مذہبی نے وضع حدیث پر مجبور کیا۔ جیسا اماموں ہر وی نے یہ حدیث وضع کی۔ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ جو شخص نماز میں رفع یدین کرے۔ اس کی نماز باطل ہے۔ یا جو شخص نماز میں امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھے۔ اس کی نماز باطل ہے۔

ہفتم :- کچھ لوگوں نے وضع حدیث بعض اشخاص کی بیجا محبت اور بیجا بغض کی وجہ سے کیا۔ جیسا کہ مناقب اہل بیت اور خلفاء راشدین کی تفتیش میں لوگوں نے حدیثیں وضع کیں۔ یا جیسا کہ بنی امیہ نے اپنی مدح اور اہل بیت کی تفتیش میں کیا۔ یا جیسے حضرت امام شافعی اور حضرت امام الحنفیہ کی جھوٹی مدحوں میں حدیثیں وضع کی گئیں۔ حالانکہ ان کے سچے مناقب ان کے اظہار فضائل کے لئے کیا گئے تھے۔

ہشتم :- کچھ جماعتوں نے حدیثیں اس لئے وضع کیں۔ کہ ان سے نئے عجیب



معلومات کا اضافہ ہو۔ اور عوام کے دلوں میں ان کی علم دانی کا سکھ بیٹھے۔ اور یہ جاہل  
واعظ اور نا سمجھ مقررہوں کا کام تھا۔ کہ لوگوں کو جنت دوزخ کے جھوٹے قصے اور  
معراج کے جھوٹے دل خوش کن واقعات سنایا کرتے تھے۔ حالانکہ علم و فضل سے کوسوں  
دور تھے

حدیث موضوع کی پوری بحث معلوم کر لینے کے بعد ذرا فن کی کتابوں کی طرف آنا  
چاہیے اس فن کی سب سے بڑی کتاب موضوعات الکبریٰ ہے۔ یہ چار جلدوں میں ہے  
مصنف نے اس کے شروع میں چار باب قائم کئے ہیں۔ پہلا جھوٹ کی برائی میں دوسرا  
حدیث میں کذب علیٰ منعمداً الخ کے بیان میں تیسرا اس بات کے بیان میں کہ جاہل کا  
نقد بہت ضروری چیز ہے۔ اور چوتھا کتاب کے دیگر مطالب میں یہ کتاب حقیقت پرچاس کتاب  
کے مطالب کا پتھر ہے۔ اسکے مصنف دینائے اسلام کے مشہور عالم و محدث اور عجب بزرگوار  
واعظ علامتہ ابن الجوزی ہیں۔ اپنے نزدیک ابن جوزی نے ساری موضوع حدیثوں کو  
اس میں اکٹھا کیا ہے۔ لیکن ابن صلاح جیسے فزولہ محدث اور ان کے متبعین کا خیال ہے  
کہ ابن جوزی کی یہ کتاب بہت ایسی احادیث کو بھی موضوع ٹھہراتی ہے۔ جو ضعیف اور  
بعض حیثیتوں سے حسن کا درجہ رکھتی ہیں۔ چنانچہ اپنی الفیہ کے بعض اشعار میں اس کا اظہار  
بھی کیا ہے۔

اسی طرح حافظ ابن حجر نے بھی اپنی کتاب الذب عن مسند احمد میں ان حدیثوں  
کو جمع کیا ہے۔ جو مسند میں تھیں۔ لیکن ابن جوزی نے انہیں اپنی کتاب میں موضوع ٹھہرا  
دیا تھا۔ اور مزید براں ابن جوزی نے بعض ایسی حدیثیں موضوع قرار دیدیں۔ جن کی  
تخریج مسلم نے کی تھی۔ سخاوی نے لکھا ہے کہ ابن الجوزی نے اپنی شدت میں آکر بعض  
صحیحین کی حدیث کو موضوع قرار دیا ہے۔ چنانچہ ابن حجر وغیرہ کا خیال ہے۔ کہ ابن جوزی  
کی یہ بہت بڑی غلطی اور جرات ہے۔ جس کا انہوں نے اپنی کتاب میں ارتکاب کیا ہے  
انہیں خرابیوں کو ملحوظ رکھ کر ابن حجر نے ان کی موضوعات کی تحقیق میں ایک کتاب  
لہ الآثار المرفوعہ فیما يتعلق بالاحادیث الموضوعہ لمولانا عبدالحی القزلباشی علی الاضارعی



لکھی۔ اور جلال الدین سیوطی نے انکی موضوعات کی وہ سب حدیثیں ایک جگہ جمع کر دیں۔ جو حقیقتاً  
موضوع نہ تھیں۔ اور جن میں کی اکثر سنن اربعہ اور مستدرک حاکم میں موجود تھیں۔ اور اس  
کا نام ۲ الذکرت الابدلیات علی الموضوعات رکھا۔ اور اس کے بعد پھر اسی کتاب کی تلخیص  
بعض دیگر اصنافوں اور تنقیدوں کے ساتھ کی۔ اور اس کا نام اللالی المصنوعہ  
فی الاخبار الموضوعہ رکھا۔

اسی لئے علماء اسلام میں اکثر کا خیال ہے۔ کہ ابن جوزی نے اپنی یہ  
موضوعات لکھ کر اپنی شدت کو پورا آشکارا کیا۔ اور اس خاص امر میں چند مخصوص  
علماء ہیں۔ جن کی رائیں حدیث کی صحت و سقم میں بغیر غور و فکر کے قبول نہ کرنا چاہئے  
ابن جوزی، صنعانی، جوزقانی، مجد الدین فیروز آبادی علامتہ ابن تیمہ بہ مستحیباں  
باتفاق علماء امت متشددین فی الرواۃ میں ہیں۔ اور بے دھڑک جس حدیث  
کو چاہتے ہیں۔ ضعیف اور موضوع بنا دیتے ہیں۔ ابن جوزی کی شدت کا پتہ  
تو ان کے موضوعات سے لگا۔ اور جوزقانی کا ان کی اباطیل سے باقی رہے۔  
ابن تیمیہ یا مجد الدین فیروز آبادی صاحب قاموس و سفر العادۃ وغیرہ تو ان کی  
ساری تصنیفیں اس پر وال ہیں۔ اور یہی حضرات ہیں۔ جنہوں نے مسد  
شمس اور حدیث ثقلین جیسی حدیثوں کو موضوع ٹھہرایا ہے۔

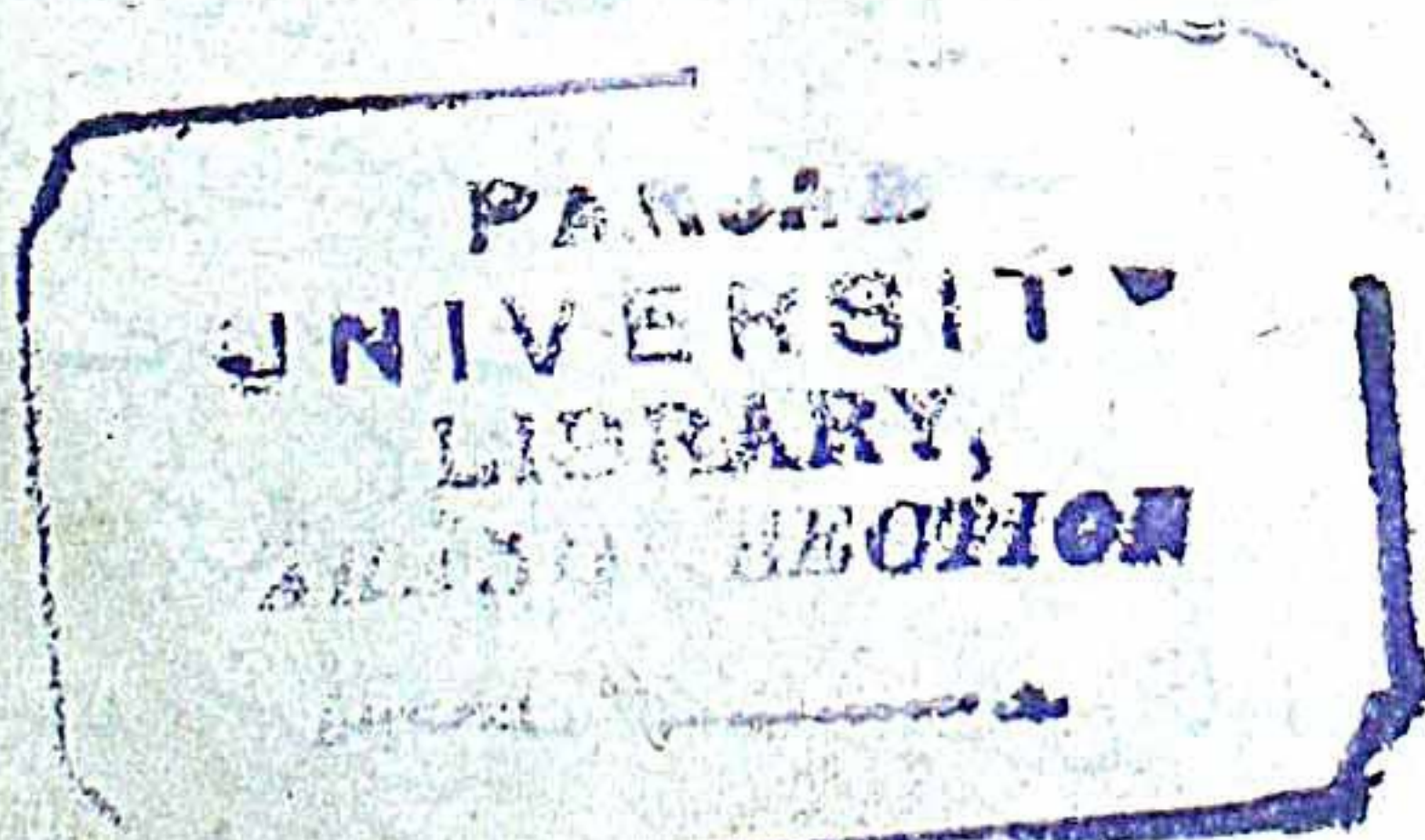
ابن جوزی کی موضوعات کے علاوہ موضوعات ابن عبد البر، موضوعات  
ملا علی قاری (المصنوع فی احادیث الموضوع) موضوعات سخاوی، موضوعات  
شاگرد سخاوی فلمی تلمیذ الطیب من الخبیثات، یہ کتاب میرے ذاتی  
کتبخانہ میں موجود ہے۔ موضوعات شوکانی، موضوعات مولانا عبدالحی فرنگی محلی وغیرہ  
بھی فن کی اس خاص شق میں لکھی گئی ہیں۔ اور ان کے اندر وہی حدیثیں درج  
ہیں۔ جن کی نسبت موضوع ہونے کا شبہ یا یقین تھا۔ اگلے محدثین اس خاص  
فن میں اتنی احتیاط کرتے۔ کہ جس راوی کے متعلق وضع حدیث کا ذرا بھی شک  
ہونا پھر تمام عمر کے لئے اسکی ساری روایتیں مردود تھیں۔ نیز جلال الدین سیوطی



نے ایک اور چھوٹا سا رسالہ اس فن میں لکھا ہے۔ جس کا نام دار نشر ہے اور یہ بھی میرے کتب خانہ میں قلمی موجود ہے۔ اور موجودہ دور سے کچھ پہلے ہندوستان کے مشہور عالم مولانا انوار اللہ حیدر آبادی مرحوم نے بھی باہمیاء حضرت حاجی امداد اللہ علیہ الرحمۃ ایک رسالہ موضوع احادیث کی شناخت میں لکھا ہے۔ جس کا نام الکلام المرفوع فیما يتعلق بالاحادیث الموضوع رکھا ہے۔ یہ رسالہ بھی چھپ گیا ہے۔

## تمام شد

(نگینہ پریس لاہور، تمام محمد حسین دردی پرنٹر چھپوا کر مولانا ناصر الدین پبلشر نے شاہی مسجد شام لکھا)



قیمت ۱۰ روپے



# چند مفید کتب

**شفاء السقام کا اردو ترجمہ**  
 شیخ الاسلام علامہ تقی الدین سبکی کی معرکتہ الارا کتاب شفاء السقام  
 فی زیارت خیر الانام کا تصوف اور علمی دنیا میں جو مرتبہ ہے۔  
 وہ کسی اہل علم سے پوشیدہ نہیں۔ ایک عرصہ سے اس کتاب  
 اردو ترجمہ کی شدید ضرورت محسوس کی جاتی تھی۔ الحمد للہ کہ یہ بڑا کام بڑی خوبی کیساتھ پورا ہو  
 گیا۔ ترجمہ کیساتھ ساتھ مصنف علامہ کے سوانح کے حیات اور ایک مبسوط ویبیاچہ کا بھی اضافہ  
 کیا گیا ہے۔ علامہ سبکی نے درحقیقت یہ تصنیف علامہ ابن تیمیہ کے بعض نزلے مستفادات کے  
 ترمیم میں لکھی ہے۔ جن مسائل میں اس کتاب کے اندر خاص سو پر بحث کی گئی ہے۔ ان میں  
 سے بعض سے خود شیخ ابن تیمیہ کو بھی اختلاف نہیں ہے، اور وہ حسب ذیل ہیں، زیارت قبور، استمداد  
 توسل، شفاعت، حیات انبیاء و شہداء، مقام محمود، اقسام شفاعت اور عیہ ماثورہ وغیرہ اتنے مواد یکجا  
 اس کتاب کے سوا دوسری جگہ نہیں مل سکتے ہیں، ترجمہ کی زبان بہت سلیس ہے۔ کتاب ہاتھوں  
 ہاتھ فروخت ہو رہی ہے۔ اور اب بہت کم نسخے رہ گئے ہیں۔ علم دوست حضرات کو جلد از جلد متوجہ  
 ہونا چاہئے۔ نیز ایک ایجنسیاں بھی جلد اسکی طرف متوجہ ہوں۔ اور حضرت مولانا سے اس کی دوسرے  
 ادیشن کے متعلق گفتگو کریں۔ قیمت ایک روپیہ

**حیات احمد بن حنبل**  
 دنیا کے اسلام جن چار اماموں کی نام لیا ہیں۔ ان میں ایک حضرت  
 امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ بھی ہیں۔ اردو زبان میں اب تک حضرت امام ابو حنیفہ  
 امام مالک، امام شافعی رحمہ اللہ کے حالات زندگی سے چکے ہیں۔ لیکن حضرت امام احمد رحمہ اللہ کی کوئی سوانحی  
 نہیں لکھی گئی۔ بڑی ضرورت تھی کہ حضرت امام احمد کے حالات زندگی بھی اردو کا جامہ پہن لیں۔  
 اس کتاب میں امام احمد کے پورے حالات زندگی آپ کی تحصیل علم، شیوخ حدیث، تقویٰ  
 و زہد ہمشاہ خلق قرآن میں بیظیر ثبات قدمی آپ کے مہربان استعمال نظامہ بادشاہوں کے مقابلہ



میں حق کی حمایت، پھر جسم مبارک پر کورڈوں کا لگنا اور حضرت کا حق ہی حق ہے  
 باتیں بڑی تفصیل سے بیان ہوئی ہیں۔ موجودہ زمانے کے مجاہدین و اہل حق کے لئے  
 بہترین بصیرت کا۔ تمام مسلمانوں کو جلد از جلد اس کی خریداری کی طرف متوجہ ہونا چاہئے

## علوم الحدیث

حدیث اپنی گونا گون عظمت کے باعث دین میں جو مرتبہ رکھتی  
 کسی اہل علم سے پوشیدہ نہیں۔ لیکن اب تک بحر مختصر میں

چھوٹے چھوٹے رسالوں کے جو اپنے باب میں ناکافی ہیں۔ علم حدیث کی مفصل تاریخ کی طرف  
 نہ لگی۔ الحمد للہ کہ یہ بڑا کام بھی کافی تحقیق و تدقیق کیساتھ عربی و غیر عربی ماخذوں سے بڑھی

عرق سوزی کے بعد تکمیل کو پہنچ گیا۔ اس میں سب سے پہلے ضرورت حدیث و سنت کی  
 اسکے اقسام بیان کئے گئے ہیں۔ پھر سنت کے شعبوں کے محفوظ خزانہ سے نکل کر سفینوں میں

وجہ اور نفس حدیث کے جزو دین ہونیکے دلائل بیان کئے گئے ہیں۔ کیونکہ اس دور میں  
 انکار حدیث کا بھی پیدا ہو گیا ہے۔ جو حدیث کے جزو دین ہونے سے انکار کرنا ہے

جو عقاید ہونے پر اس کتاب میں نہایت عمدہ و وسیلی الی الحق دلائل دئے گئے ہیں۔  
 حدیث کے ہر ایک مدون شاخ کی توضیح و تشریح کی گئی ہے۔ اور بیان حدیث

مساک کی توضیح بھی ہے۔ اور علم الحجج و القیاس، علم غریب الحدیث، علم ناسخ  
 و منسوخہ، علم الانساب و الکلی و الالقاب، علم منوعات الحدیث وغیرہ سمجھوں

بحث کی گئی ہے۔ خلاصہ یہ کہ اب تک اردو زبان میں ایسی کتاب نہیں لکھی گئی  
 دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ موجودہ دور میں علماء طلباء و عام مسلمانوں کے لئے اس کا

بجد مفید ہے۔ یہ ایک ایسی عجیب و غریب کتاب ہے۔ جو منکر حدیث کو پوری طرح  
 کر سکتی ہے۔ اور حدیث کے معلومات کے لئے بہترین و بیش بہا ذخیرہ ہے۔ قیمت

ان کتابوں کے علاوہ اور بھی بہت ہی مفید کتابیں مثلاً باطل شکن، مہلادال رسول  
 وغیرہ بھی حضرت خطیب صاحب شاہی مسجد لاہور کے پتہ سے مل سکتی ہیں۔



۲۹۴۶۲۹

480

ع ۷۲ ع

۱۸۶۳۸

DATA ENTERED

شکر

میں اپنے صوبہ کے محکمہ تعلیم کا ولی شکر یہ ادا کرتا ہوں جس  
نے اپنی روایتی علم دوستی کی بنا پر میری اس ناچیز تالیف کی قدوائی  
کی اور اس کی طباعت کے لئے ایک رقم عطا کی یہ رقم اپریل  
سٹرپیڈ عبد العزیز صاحب بمیر سٹریٹ لاؤریہ تعلیم صوبہ بہار کی  
عطا فرمودہ ہے۔ وزیر صوبہ بہار کے ہر وزیر  
لیڈر ہیں جن کی ہنرمالی پر یہ شکر ادا کیا گیا ہے بلکہ بہار و اٹلیسہ کی  
ساری آبادی مسرور ہے۔ ایسے ہر دل عزیز فرض شناس وزیر کا  
شکر یہ ادا کرنا عین انصاف ہے میں ان کا دل سے شکر گزار ہوں

مؤلف